والعصر ٥ ان الانسان لفی خسر ٥
جامعہ عثمانیہ کا ترجمان
ماہنامہ
العصر
سرپرست اعلیٰ نمبر
پشاور
مدیر مسئول
مفتی غلام الرحمٰن
جامعہ عثمانیہ کے توسیعی منصوبہ کی زیر تعمیر جامع مسجد عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک دلکش منظر

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان
ماہنامہ
العصر
پشاور

جنوری فروری 2007ء ذی الحجہ محرم ۲۸-۱۴۲۷ھ شمارہ 1-2 جلد 12

فہرست مضامین

پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹ پشاور صدر-صوبہ سرحد پاکستان فون ۲۷۳۵۶۱-۰۹۱

پبلشر و دفتر
مفتی غلام الرحمٰن نے وحدت پرنٹنگ پریس خیبر بازار پشاور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ العصر جامعہ عثمانیہ، عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور صدر سے شائع کیا

بدل اشتراک فی پرچہ 15 روپے / زرسالانہ اندرون ملک 125 روپے بیرون ملک 25 ڈالر کی قیمت

خصوصی نمبر جلد بائنڈنگ 80 روپے کارڈ بائنڈنگ 70 روپے
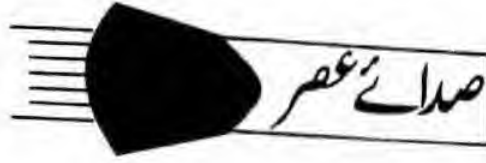
حضرت حکیم صاحب اور جامعہ کی سرپرستی

حضرت مولانا انوار الحق صاحب نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ۱۹۸۸ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات کے حوالے سے علاقہ چراٹ میں حضرت حکیم صاحب کے اثر ورسوخ سے استفادہ کی نیت سے آپ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا حکیم محمد صادق صاحب مرحوم کے آپ سے گہرے روابط تھے۔ آپ ہی ہمارے اور حضرت حکیم صاحب کے تعلقات کا ذریعہ بنے مروجہ سیاست سے دوری کی بناء پر اگرچہ اس ملاقات سے ہم سیاسی فوائد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن آپ کی فیاضی، وسعت ظرفی اور ملنساری نے لطف وکرم کا وہ مثالی نمونہ پیش کیا جس سے جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلیٰ کے انتخاب کے لیے راستے ہموار ہوئے۔ ہمارے اور حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تعلقات اور رواسم میں پختگی پیدا کرنے میں فعال کردار مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کا بھی رہا۔ آپ دارالعلوم حقانیہ کے اولین فضلاء میں سے تھے اور دارالعلوم کی ترقی کے مراحل کا آپ نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا مادر علمی سے گہری محبت اور قلبی تعلق کی بناء پر آپ دارالعلوم کے در و دیوار کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے دارالعلوم حقانیہ سے بیس سالہ تعلقات کی بنا پر ہمیں اپنے خاص توجہات سے نوازا۔

علم دوستی حضرت حکیم صاحب کی فطری خوبی تھی غریب اور نادار طلباء کو علمی سفر میں سہارا دینے پر آپ کو دلی خوشی محسوس ہوتی تھی اس لیے مختلف علاقوں میں کئی علماء کا علمی سفر آپ ہی کی وجہ سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ نے ذہین طلباء کی علمی صلاحیتوں کی آب یاری کی اور بچوں کیطرح ان کی تربیت کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جس کی وجہ سے آج ان علماء اور فضلاء کی انفرادی یا اجتماعی دینی خدمات میں آپ برابر کے شریک ہیں اور ان کے دینی مساعی آپ کی حق میں صدقہ جاریہ بن کر

دائمی ثواب کا ذریعہ بن چکے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے لیے ابتدا سے ہی روحانی شخصیت کا بطور سرپرست اعلیٰ ہونا ضروری تھا۔ابھی تو آئینی ضرورت ہے اور دستور جامعہ اس کا متقاضی ہے کہ سرپرست اعلیٰ کی تقرری ہو۔ جامعہ کے آئین کا دفعہ نمبر ۱۳ ذیلی دفعہ نمبر ۱۰ مکمل طور پر سرپرست اعلیٰ کی ضرورت اور کوائف پر یوں مشتمل ہے کہ

(۱) سرپرست اعلیٰ:

(الف) جامعہ کا سرپرست اعلیٰ وہ ہوگا، جس کی تجویز دیکر مہتمم بوقت ضرورت مجلس شوری سے اس کی منظوری لے گا۔

(ب) سرپرست اعلیٰ جامعہ اور جامعہ کے اراکین کے لیے روحانی مرجع ہوگا۔

(ج) سرپرست اعلیٰ عالم باعمل ،تقویٰ اور پرہیزگاری کا نمونہ، جامعہ کے مسلک اور اہداف کا محافظ، جامعہ کا خیر خواہ اور ترقی کا خواہاں ہوگا۔

حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں مذکورہ جملہ خوبیاں موجود تھیں ۔اس لیے جامعہ کی مجلس شوری کے چوتھے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۳ نومبر ۱۹۹۵ء بمطابق ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ میں آپ کو متفقہ طور پر جامعہ کا سرپرست اعلیٰ مقرر کیا اور دوبارہ آپ کو باقاعدہ سرپرست اعلیٰ کی تقرری کی منظوری دی ۔۲۳ جولائی ۲۰۰۶ء بمطابق ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ بروز اتوار تعلیمی سال نمبر ۱۵ کے لیے منعقدہ سالانہ اجلاس میں مجلس شوری کے جملہ اراکین نے تجدید کے موقع پر متفقہ طور پر دوبارہ آپ کو تاحیات سرپرست اعلیٰ رہنے کی منظوری دی لیکن بہت جلد ہی یعنی ۲۵ ستمبر ۲۰۰۶ء بمطابق ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ کر جامعہ کو سوگوار چھوڑا۔بطور سرپرست اعلیٰ آپ کی تقرری جامعہ کے لیے ایک بڑی خوشخبری سے کم نہیں تھی۔یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے جملہ اساتذہ کرام مجلس شوری کے اراکین اور جملہ متعلقین نے اس کو سراہا اور بحمد اللہ آپ ہی کے ادوار میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ کی گہری دلچسپی سے جامعہ

نے خلاف توقع ترقی کی۔ تعلیمی میدان میں دورہ حدیث، درجہ تخصص اور شعبہ بنات کے اجرا سے بڑی جامعات کی فہرست میں جامعہ شامل رہا اور بحمد اللہ وسائل وظروف کی وسعت سے ہزاروں طلباء کی گنجائش پیدا ہو کر مستقبل کے کئی منصوبوں کی تکمیل کی امیدیں رنگ لائیں صرف یہ نہیں کہ یہ سلسلہ آپ کی حیات تک محدود رہا بلکہ رب کائنات کی قدرت کاملہ پر یقین اور کلام الہی "وکان ابوھا صالحا" کی روشنی میں یہ یقین ہے کہ آپ کی شبانہ روز دعاؤں اور بے لوث توجہات کے اثرات دیر تک قائم رہیں گے اور مستقبل میں ان شاء اللہ جامعہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر ہر لحہ پیش قدمی کا پیغام ثابت ہوگا "وماذلک علی اللہ بعزیز"۔

جامعہ کی کم وبیش پندرہ سالہ زندگی میں آپ کا وجود یقیناً جامعہ کے لیے روحانی مرجع رہا جن خوبیوں کا ادراک کر کے مجلس شوری نے آپ کی تقرری کی تھی بحمد اللہ وہ خوبیاں آپ کی ذات میں بدرجہ اتم پائی گئیں۔ آپ کے عالم باعمل اور پرہیز گاری کا نمونہ ہونا آپ کے بارے میں رفقاء کار، معتقدین اور متعلقین کے تأثرات سے نمایاں ہے اس سے بڑھ کر تقویٰ اور پرہیز گاری اور کیا ہوتی کہ فراغت کے بعد اگرچہ آپ نے فن طب سے وابستگی اختیار کی لیکن مدرسہ اور دینی تعلیمی میدان سے اپنا رابطہ بحال رکھا چنانچہ جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ مخلوق کے روحانی علاج پر بھی توجہ دی جتنا میسر رہا تدریسی میدان میں اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ حلقہ معتقدین کی دینی تربیت کی۔ دینی مدارس ومعاھد اور علمی وتبلیغی مراکز سے اپنا جوڑ قائم رکھا اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے میں کوتاہی نہیں کی۔ ورنہ بہت کم علماء ایسے دیکھے گئے ہیں جنہوں نے میدان طب میں کود کر رجعت قہقری اختیار کی ہو۔ آپ کی محفل ومجلس اور بیان میں ہمیشہ کے لیے تصور آخرت کی فکر غالب رہتی یہی تقویٰ کی دلیل ہے۔ آئین کی رو سے سرپرست اعلیٰ جامعہ کے مسلک اور اھداف کا محافظ ہوگا جامعہ کا مسلک ومشرب دفعہ نمبر ۵ کے حوالہ سے مندرجہ ذیل ہے۔

(ا) جامعہ کا مسلک ومشرب عقائد اھل سنت والجماعت، فقہ حنفی اور اکابر دیوبند کے مسلک کے مطابق ہوگا اور دیگر مسالک حقہ کی پوری تعظیم کی جائیگی۔

(۲) ملکی یا بین الاقوامی معاملات، جن کا براہ راست تعلق مذہب اور عقیدے سے ہو اور ان سے متعلق اظہار رائے کی ضرورت ہو، اس میں اپنے موقف کا اظہار جامعہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے البتہ مروجہ سیاست یا دوسری تحریکات میں الجھنے کی بجائے جامعہ کی تمام ترنصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں اور توجہات صرف تعلیم و تربیت پر مرکوز رہیں گی۔

چونکہ حضرت حکیم صاحبؒ کی تربیت مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتوں میں ہوئی تھی ایسی شخصیت سے بڑھ کر اور کونسا شخص ہوگا جو اھل سنت والجماعت فقہ حنفی اور اکابر دیوبند کی نظریات کا محافظ ہو۔ آپ کا دل ان اکابر کی محبت وعقیدت سے معمور تھا ہر محفل و مجلس ان اکابر کے تذکرہ خیر سے معطر رہتی تھی۔ جب کبھی کسی مشورہ کے لیے ہم حاضر ہوتے تو مظاہر العلوم سہارنپور دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ کے حوالہ سے اکابر علماء کے واقعات سنا کر مشورہ دیتے۔ دعوت وتبلیغ سے وابستگی کی بنا پر رائے ونڈ کے بزرگوں کے تذکرہ سے محفل میں مزید رونق پیدا ہوتا۔ نجی محفل یا جامعہ میں شوری کے اراکین یا طلبہ سے خطاب کے وقت آپ کی کوشش رہتی کہ اسلاف سے محفل کی نسبت پیدا کرے۔ یہی ایک عالم کی کامیابی ہے کہ اکابر پر اعتماد کر کے ان سے جوڑ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

سرپرست اعلیٰ چونکہ ادارہ کا مرجع ہوتا ہے اس کے دل دماغ میں ادارہ کی خیر خواہی اور ترقی کے راستہ پر گامزن ہونا فطری امر ہے۔ بحمد اللہ حضرت حکیم صاحب ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود ہر وقت جامعہ عثمانیہ کی ترقی کے بارے فکرمند رہتے تھے آپ حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کے ذریعہ ہفتہ وار جامعہ کی سرگرمیاں جاننے کی کوشش کرتے۔ جب کبھی ہماری حاضری ہوتی تو مشورہ دیتے وقت تمام سرگرمیاں مدنظر رہتیں مالی وسائل کے سلسلہ میں خود ذاتی طور پر تعاون کے علاوہ متعلقین، رشتہ دار اور احباب سے تعاون کی اپیل فرماتے کبھی رشتہ داروں کو لیکر جامعہ تشریف لاتے اور تعاون کرواتے اور فرماتے کہ ان لوگوں کا مجھے رقم دیگر جامعہ میں لگانا کوئی

مشکل نہیں لیکن رشتہ داروں کو بنفس نفیس لانے میں میرا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ خود جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں اور کارکردگی دیکھ کر تعاون کریں گے اس صورت میں ان کے تعاون کرنے میں خود ان کو مزید اطمینان حاصل ہوگا اور آئندہ کے لیے میں نہ بھی ہوں تو یہ لوگ تعاون کرتے رہیں گے کئی باریوں بھی ہوا کہ متعلقین بغیر کسی حاضری کے پانچ پانچ لاکھ روپے حضرت حکیم صاحب کے حوالہ کر کے تعاون کرتے رہے اگر ایک طرف نیم شب میں آپ گریہ وزاری اور سوز وگداز کی بے لوث دعائیں جامعہ کی ترقی کا ذریعہ رہتیں دوسری طرف ظاہری طور پر حلقہ احباب میں جامعہ کے ساتھ تعاون کی اپیل اور حلقہ خیر خواھاں کی وسعت کے لیے فکر مندی بھی اہم سبب تھی۔

جامعہ سے قلبی محبت اور تعلق کی یہ کیفیت رہی کہ جامعہ کے ہر اُستاذ، طالب علم اور خادم کے بارے میں احوال پوچھنے کا اہتمام کرتے جب کبھی کسی طالب علم کی نمایاں پوزیشن لینے سے مطلع ہوتے یا کسی شعبہ میں پیش رفت یا کسی تعمیراتی منصوبے سے آگاہی ہوتی تو بہت زیادہ خوش ہوتے محفل یا کسی شخص کے سامنے جامعہ عثمانیہ کے احوال بیان کرتے تو فیاضی کا مظاہرہ فرماتے دارالعلوم مظاہر العلوم سہارنپور سے شروع کر کے ملک کے اہم اداروں کا تذکرہ فرماتے لیکن آخر میں اس نوخیز ادارہ کے تعلیمی اور تعمیراتی منصوبے بیان کرتے یا نظام تعلیم وتربیت کے بارے میں کچھ فرماتے تو دلائل کی روشنی میں ایسا ترجیحی تجزیہ فرماتے کہ سامعین دھنگ رہ جاتے۔

اہم مواقع کے علاوہ جب کبھی پشاور تشریف لاتے تو جامعہ کی خبر گیری ضرور فرماتے یوم سرپرستان کی تقریب اور مجلس شوری کے سالانہ اجلاس میں خاص طور پر حاضری فرماتے اور دونوں مواقع پر محفل کی صدارت فرماتے۔شوری کے اجلاس کا پورا انتظام وانصرام آپ کی نگرانی میں ہوتا یہاں تک کہ ضیافت بھی آپ کی طرف سے ہوتی صرف شرکاء مجلس شوری نہیں بلکہ جامعہ کے تمام طلبہ وطالبات اور تمام اساتذہ وملازمین اس دن آپ کی ضیافت میں شریک ہوتے ضیافت کے موقعہ پر پر تکلف کھانا آپ اراکین شوری کو کھلاتے چونکہ ایسا پرتکلف کھانا کھلانا مدارس کی غربت کے ماحول میں بہت کم ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات شرکاء محفل ایسے پرتکلف کھانے کے بارے میں

تحفظات بھی رکھتے تھے۔اس لیے ہمیں ہر اجلاس میں اس کا اعلان کرنا پڑتا کہ یہ پرتکلف دعوت حضرت حکیم صاحب کی طرف سے ہے یہ آپ کی طبعی مجبوری تھی کہ مہمانوں کے سامنے بڑی فیاضی سے کام لیتے تھے گھر میں بھی مہمان نوازی مثالی ہوتی تھی۔

حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خواہش تھی کہ جامعہ کے قبرستان ''گلشن عمر'' میں آپ کی تدفین ہو، ہم بھی اس پر مطمئن تھے لیکن گاؤں والوں کی عقیدت ومحبت اس آرزو کی تکمیل کے سامنے رکاوٹ بنی۔ باربار جرگوں سے گاؤں والے اپنے اس موقف میں کامیاب ٹھہرے کہ انتقال کے بعد حضرت حکیم صاحبؒ کی تدفین گاؤں کے قبرستان میں ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی رحلت سے آپ کا خاندان اور پورا علاقہ سوگوار ہے لیکن اس صدمہ کے اثرات سے جامعہ عثمانیہ کا پورا حلقہ احباب متاثر رہا مجھے یاد ہے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کے سفر میں حرمین میں تھا جس ساتھی سے ملاقات ہوتی وہ حضرت حکیم صاحبؒ کے لیے بے ساختہ دعائیں کرتا کئی لوگوں نے آپ کے ایصال ثواب کے لیے طواف کیے۔قرآن خوانی کی اور بے لوث دعائیں دیں جن سے یقیناً آپ کا یہ دائمی سفر پرسکون رہیگا آپ کے ذاتی اعمال اور حسنات کے علاوہ جامعہ سے وابستگی اور تعلق عظیم صدقہ جاریہ ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (امین)

جامعہ سے اس دیرینہ تعلق کا تقاضا تھا کہ آپ کی سوانح عمری اور یاد ایام کا تذکرہ ہوتا کہ آنے والی نسل کے لیے استفادہ کا موقع رہے بلکہ جامعہ سے آپ کی محبت کو سامنے رکھتے ہوئے ادارہ پر قرض بنتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری نبھا کر معاشرہ کو آپ کے تذکرہ خیر سے آگاہ کرے۔اس کے لیے ماہنامہ العصر کی ''اشاعت خاص'' کا مشورہ ہوا۔بحمداللہ مختصر وقت میں رفقاء کار کے حسن تعاون سے ایک حسین اور جامع تذکرہ تیار ہو کر دستاویز کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں حضرت حکیم صاحبؒ کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات ،خاندانی تذکرہ اور علماء ومشائخ کے تاثرات سے مزین ہو کر ادارہ العصر سے ماہ جنوری وفروری ۲۰۰۷ء کی مجلات کی جگہ نمبر شائع ہو رہا ہے۔

والعصرo ان الانسان لفی خسرo

[signature]

۱۴۲۸/۲/۶ھ

ہمدمِ دیرینہ
آنکھیں ہزار صبر کی کوشش کے باوجود
رک رک کے بار بار برستی ہیں آج بھی

مشائخ اور ہم عصر علماء کرام کا خراج تحسین

علم وحکمت اور اخلاق حسنہ کا مجسمہ

محدث کبیر حضرت العلامہ مولانا حسن جان صاحب مدظلہ العالی

پچھلے دنوں ہمارے ایک محترم اور مشفق دوست اور خندہ پیشانی سے ملنے والے حکیم اور عالم حضرت مولانا الحاج حکیم لطف الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیں داغ مفارقت دیکر راہی دارالبقاء ہوگئے " انا للہ وانا الیہ راجعون ." آپ کی جدائی سے ہم ایک مجسمہ اخلاق تواضع، سخاوت دیانت، اور للھیت کے عظیم پیکر سے محروم ہوگئے ۔آپ مظاہر العلوم سہارنپور ہندوستان کے عظیم الشان علمی وروحانی اور یادگار سلف کے فیض یافتہ تھے ۔اور جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا ریحانۃ الہند محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور جناب شیخ المحدثین حضرت العلامہ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقۂ تلمذ اور صحبت کے فیض یافتہ تھے۔ یہ فقیر جب تک اکبر دارالعلوم مردان میں پڑھاتے رہے تو آپ کا گھر ہمارا مہمان خانہ ہوتا تھا۔اور آپ کا مطب نہ صرف اساتذہ کرام کے لیے بلکہ جملہ طلباء کرام کے لیے ایک مفت شفاخانہ ہوتا تھا۔صرف آپ کی ذات گرامی نہیں بلکہ آپ کے جملہ صاحبزادگان اور آپ کے چھوٹے بھائی جناب حاجی عبدالودود صاحب و لد الطاف الرحمٰن اور پورا کنبہ اور رشتہ دار ہماری عزت وخدمت میں ایک دوسرے سے آگے ہوتے تھے۔آپ کی محبت اور اخلاص کی برکت سے آپ کے جملہ صاحبزدگان نیکی اور اخلاق اور تواضع سخاوت کے سرچشمے اور آپ کے لیے باقیات صالحات ہیں ۔

اللّٰھم زدھم فضلاو کرما،ان المتقین فی جنٰت ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر"ادخلہ اللہ تعالیٰ فرادیس جنانہ وافاض علی مرقدہ شآبیب مغفرتہ ورضوانہ .

شفقت اور ذرہ نوازی کی نرالی تصویر

حضرت مولانا شیر علی شاہ مدنی صاحب (شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

سرپرستان جامعہ عثمانیہ پشاور قابل صد تحسین و تکریم ہیں کہ انہوں نے جامعہ عثمانیہ کے موقر مقبول "العصر" میں جامعہ عثمانیہ کے ایک عظیم سرپرست حضرت العلامہ مولانا لطف الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے پاکیزہ حالات، مناقب فضائل پر ایک خصوصی نمبر نکالنے کا نیک ارادہ فرمایا ہے۔ ناچیز کو بھی اس وقیع علمی خدمت میں چند سطور لکھنے پر مامور فرمایا ہے۔ بزرگان دین، وارثان انبیاء کرام علیہم التحیات والتسلیمات علماء حق کے دینی مذہبی، علمی کارنامہائے نمایاں کی اشاعت و ترویج نہایت ہی بڑی دینی خدمت ہے۔ جو نونہالان اسلام کا گنجینہ عبرت اور مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ امام الائمۃ المجتہدین امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "الحکایات عن العلماء و محاسنھم احب الی من کثیر من الفقہ" اگست ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا۔ یہ رمضان المبارک کے آخری ایام تھے، ہمارے شیخ و مربی زینۃ المحدثین حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شعبان و رمضان کی تعطیلات میں دار العلوم دیوبند سے اپنی دولت کدہ تشریف لاتے تھے، عید الفطر کے دوسرے تیسرے دن چند طلبہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں عید مبارکبادی کے لیے حاضر ہوئے، جو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کر رہے تھے اب وہاں جانے کا کیا پروگرام ہوگا۔ حضرت نے فرمایا مسلم ہندو فسادات اور خونریزیوں کا سلسلہ زور و شور پر ہے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں جانا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں گے کہ حالات بہتر ہو جائیں تو امن و سلامتی کا ماحول میں جانا ممکن ہو جائیگا۔ چند دن گزرنے کے بعد دیگر طلبہ حاضر ہوئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مطالبہ کرنے لگے جب تک حالات درست نہ ہوں، المحترم ہمیں حدیث کی کتابیں شروع فرمائیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تشنگان علوم نبویہ کی حالت زار پر رحم و کرم فرما کر اسباق شروع فرمائے، ان مقدس ہستیوں میں ہمارے مخدوم، ومکرم حضرت مولانا

لطف الرحمٰن نور اللہ مرقدہ بھی تھا

السابقون الاوّلون ۔ کے زمرہ میں موجود تھے راقم الحروف میرے پھوپھی زاد بھائی حضرت مولانا قاضی انوار الدین بارک اللہ فی حیاتہ خادم شریعت علاقہ خٹک شعبان اور رمضان کے ایام میں حضرت شیخ الحدیث سے کافیہ پڑھ رہے تھے ۔ کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیں اپنے ساتھ دار العلوم دیوبند لے جانا چاہتے تھے، تو ہمیں کافیہ پڑھایا کہ علم نحو میں ہماری استعداد بہتر ہوجائے۔ شومئی قسمت کہ تقسیم ملک کی وجہ سے ہم اس سعادت سے محروم رہے۔ دن بدن طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلامذہ میں سے حضرت مولانا فیاض رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند حضرت مولانا شفیق رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند، حضرت مولانا ڈاکٹر مولانا محمد اسرار الحق رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند کو بھی تدریسی خدمات سرانجام دینے پر مامور فرمایا اور حضرت قاضی حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند پہلے سے حضرت رحمۃ اللہ کے قائم کردہ عربی سکول مین ابتدائی کتابیں پڑھا رہے تھے جو تعلیم القرآن پرائمری سکول کا شعبہ تھا، اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد قال اللہ قال الرسول کے انوار برکات سے چمکنے لگی۔ نووارد طالبعلم حضرت مولانا لطف الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اپنی خداداد قابلیت، ذکاوت، متانت، کے بدولت اپنے اساتذہ کرام کے ہاں منظور نظر رہے اور طلبہ کے درمیان ممتاز نظر آنے لگے۔ جمعہ کی رات طلبہ تقریری مشق کیا کرتے تھے ان سب میں حضرت مولانا لطف الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر روح پرور اور دلکش ہوتی تھی ۔ اس کی تقریر میں علمی نکات ولطائف کے ساتھ ساتھ، ظرافت ومضحکات کی چاشنی بھی ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ علم معنوی کمال سے نوازا تھا۔ مولانا موصوف اعلیٰ نمبرات حاصلکر کے ۱۳۶۸ھ میں سند فراغت اور شرف دستار بندی سے سرفراز ہوئے۔

بندہ کے ساتھ مرحوم ومغفور کا تعلق مشفقانہ تھا اب بھی جب میں انکی والہانہ شفقت وذرہ نوازی کا تصور کرنے لگتا ہوں تو ان کا باوقار حسین وجمیل چہرہ، حد درجہ تواضع، کمال بے نفسی کے مناظر آنکھوں میں پھرنے لگتے ہے۔

؎ دل کے آئینے میں ہے تصویر یار　　　جب ذرا گردن جھکالی دیکھ لی

؎ اذا تذکرت ایاماً لنا سلفت　　　اقول باللّٰہ یا أیا مناعودی

(ترجمہ) جب اپنے گذشتہ ایام کو یاد کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اے ایام دوبارہ لوٹ آو۔

کئی دفعہ ہمارے مرحوم و مغفور اس خادم کو اپنے رفقاء سمیت اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ ہمارے اساتذہ اور مشائخ کے درجہ میں تھے۔

نھد شاخ پُر میوہ سر برزمین۔ بندہ نے جب تفسیر سورۂ کہف اور تفسیر حسن بصریؒ کے ہدایا حضرت مولانا لطف الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش فرمائے تو بے اختیار دعائیں دینے لگے۔ مولانا مرحوم نے اپنی تمام زندگی قال اللہ اور قال الرسولؐ میں گزاری اور اپنے صاحبزادگان واقارب کو علوم اور معارف سے آراستہ فرمایا۔ ماشاء اللہ ان کے ہزاروں طلباء وتلامیذ ان کے لیے باقیات الصالحات وصدقات جاریہ ہیں۔

اللّٰھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ وارزقہ فی جنات الفردوس صحبۃ النبیین والصدقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا. اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ واجعل ابناءہ خیر خلف لخیر سلف وبارک فی علومھم واعمالھم ووفقھم لمایحب ویرضیٰ. وصلی اللہ تعالیٰ علی اشرف رسلہ وصفوۃ انبیاءہ سیدنا محمد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین.

خلوص وانکساری کا پیکر

مولانا حافظ محمد انوار الحق استاد الحدیث ونائب مہتمم جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

یوں تو بحمد اللہ براعظم پاک وہند کی عظیم دینی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے تادم تحریر فیض یافتہ فضلاء کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے اور اللہ کے خصوصی انعام وادارہ کے بانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اخلاص ودعوات کے نتیجہ میں مرکز علمی سے فارغ ہونے والے ہر روحانی فرزند کو رب کائنات نے قبولیت سے نواز کر زندگی کے ہر شعبہ میں امتیازی خصوصیات سے نوازا ہے۔ دنیا کے چپے چپے پر حقانی کنبہ کا ہر فرزند کسی نہ کسی صورت میں اعلائے کلمۃ اللہ، دین حق کی سربلندی اور اشاعت علوم دینیہ میں مصروف عمل ہے۔ دارالعلوم کے تمام فضلاء اپنے مرکز علمی کے لیے باعث عزت وافتخار ہیں۔ مگر ان میں بعض خوش قسمت ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اضافی انعام سے نوازتے ہوئے حقانیہ کی تاسیس سے پہلے ہی اپنے شیخ ومربی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق برد اللہ مضجعہ کے حلقہ ارادت وتلمذ میں شمولیت سے نوازا۔ انہی خوش قسمت نفوس قدسیہ میں حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ ساکن تمبولک مردان بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے مقرر کردہ عمر کے ۸۴ برس اس دار فانی میں گزار کر دار بقاء کی طرف منتقل ہو گئے۔

تقسیم ہند سے پہلے حضرت مولانا حکیم صاحبؒ نے دینی علوم کے حصول کا سلسلہ برصغیر پاک وہند کے مشہور دینی اداروں دارالعلوم مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں جاری رکھا۔ اسی دور میں ہی اپنے شیخ سے شاگردی کا رشتہ استوار کرنا شروع کر دیا۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا۔ پاکستان مسلمانوں کی ریاست ہونے کے ناطے مسلم آبادی اور پاکستانی علاقوں کے رہنے والے دینی طلباء بھی انڈیا چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور اور ہند کے دیگر مدارس کو جانے والے خواہشمند ہندوستان جانے سے کٹ گئے۔ فسادات شروع ہو کر آمد ورفت کم ہوئی تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے شاگردوں کا یہی جانثار ٹولہ تھا جنہوں اپنے استاد کو پاکستان میں دارالعلوم بنانے پر اصرار اور خواہش کا اظہار کیا جو ایک چھوٹے

سے محلے سے شروع ہو کر نہ صرف ایک دینی ادارہ بلکہ عالمگیر تحریک کی صورت بحمداللہ اختیار کر چکا ہے۔

۱۹۴۷ء میں دارالعلوم کے دوسرے سال کے ۲۴ خوش قسمت فضلاء میں حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ کا نام سرفہرست ہے جن کی دیگر ساتھیوں سمیت دارالعلوم حقانیہ کے پہلے سالانہ اجتماع میں دستار بندی اپنے استاد و مربی محدث عصر حضرت مولانا عبدالحقؒ، استاد المحدثین حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ، مفکر اسلام محقق دوراں حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، سلطان الاولیاء استاد المفسرین حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور دیگر اکابر علماء کے ہاتھوں کی گئی۔ مولاناؒ نہ صرف خود علم دین کے زیور سے آراستہ تھے بلکہ ان کے والد ماجد و آباؤ اجداد کا تعلق بھی علم عرفان سے معمور و منور خاندان سے رہا ہے۔ عرصہ دراز تک ان کا والد مولانا غلام حبیبؒ جو کہ سہارنپور مدرسہ کے فاضل اور ہندستان کے مشہور ترین دینی مدرسہ مظاہر العلوم کے انتظام انصرام کی ذمہ داریاں نبھانے میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔ علوم دینیہ کے شغف کے ساتھ ساتھ فن طبابت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو خصوصی ملکہ عنایت فرمایا تھا۔

ان کے چچا مولانا حکیم عبدالحمیدؒ جلوزئی میں رہائش پذیر تھے جن کے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ساتھ خصوصی عقیدت و تعلق کا ایسا رشتہ تھا کہ ۱۹۷۰ء کے شدید ترین اور معرکۃ الآراء الیکشن میں اپنے بیٹوں اور خاندان سمیت حضرت کی کامیابی کے لیے دن رات ایک کر دیے۔ علم و فضل و طب کا شعبہ ان کا ایسا موروثی ورثہ ہے کہ اکثر بیٹے تو کیا رشتہ دار بھانجے جیسے دارالعلوم حقانیہ کے معروف و مشہور فارغ التحصیل حضرت حکیم محمد عمر مردان بھی دین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو کر طب کا پیشہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ اپنے آباء و اجداد کے حقیقی امین کی حیثیت سے اسلاف کا نمونہ تھے اپنے مربی و مرشد شیخ الحدیثؒ سے عقیدت اور محبت اس حد تک تھی کہ انکی حیات میں تو باقاعدہ عید اور وقتاً فوقتاً دیگر مواقع پر التزام سے حاضر ہوتے حضرت شیخ الحدیثؒ کی رحلت کے بعد جب

دارالعلوم آتے اور حضرتؒ کا ذکر ہوتا تو فرط عقیدت میں آنکھیں آنسو سے بھر جاتیں۔ اپنے مرکز علمی سے تعلق کی یہ حالت تھی کہ بیماری کی حالت میں اپنے برخورداران کی معیت میں حقانیہ تشریف لاکر واپسی کے وقت دعا فرماتے کہ چند لمحے یہاں گزارنے سے جو قلبی سکون و مسرت کا ادراک ہوتا ہے وہ کہیں اور حاصل نہیں ہوتا۔ شدید ضعف اور بیماری میں حقانیہ کی آمد اور عالی ظرفی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بندہ جیسے حقیر سے ملنے کا اظہار فرماتے۔ وفات سے دو تین دن قبل مرحوم و مغفور کے چچازاد بھائی دارالعلوم حقانیہ کے رکن شوریٰ حاجی ظرافت سیر صاحب بیمار پرسی کے لیے تمبولک تشریف لے گئے۔ حاجی صاحب نے اسی رات مجھے فون پر فرمایا کہ مولانا لطف الرحمٰن صاحب کی عیادت کے لیے آج گیا تھا وہ دارالعلوم حقانیہ اور بندہ کے پاس تشریف لانے کا خواہش کررہے تھے، کیا معلوم تھا کہ دو دن بعد ان کی رخصتی اٹل ہے، ورنہ میں خود ان کی خدمت میں دعائیں لینے کے لیے حاضر ہوجاتا۔ مولانا مرحوم عجز و تواضع کے بحر ذخار تھے۔ ایک موقع پر جب حقانیہ تشریف لائے تو میں نے باتوں باتوں میں اپنے معدہ کی تکلیف کا ذکر کردیا تھا جب تک صحت ساتھ دے رہی تھی ہر ہفتہ اپنے ہاتھ سے ادویہ بنا کر حقانیہ کے فاضل مولوی امیر سید صاحب جو تمبولک میں امام تھے۔ کے ہاتھ بھیج کر پھر ہفتہ بعد باقاعدہ پوچھتے کہ فائدہ ہوا یا نہیں جب بیمار ہوئے تو اپنے لائق و فائق برخودار مولانا سعید الرحمٰن کے ہاتھ ادویہ بنا کر مسلسل ارسال کرتے رہے۔ ایک دفعہ دل کا دورہ پڑا پلستر ٹانگ پر لگا ہوا تھا۔ جسمیں فریکچر تھی اس دوران انکی عیادت کے لیے ان کے گھر گیا۔ میں نے اصرار کیا کہ بستر سے قطعاً آپ اُٹھنے کی زحمت نہ فرمائیں مگر جب تک اپنے برخوردار کے ذریعہ بستر سے اُٹھ کر معانقہ و مصافحہ نہ کیا ان کی تسلی نہ ہوئی۔

دینی مدارس اور معاہد کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے لائق و فائق روحانی فرزند حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے پشاور جب جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھی تو یوم تاسیس سے لے کر دنیا سے رخصتی تک اس کی سرپرستی کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اور پھر اس عہد

وضع داری کو ایسے انداز سے نبھایا کہ ان جیسے اشخاص کا اس فتنوں کے دور میں ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے اکثر مجالس ومحافل میں بندہ کی بھی شرکت رہتی ہے باوجود بیماری، نقاہت، دل کی بیماری جب اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا تک دشوار تو ویل چیئر پر بیٹھ کر موجود رہے اور کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر اُف بھی نہ کرتے کہ میں تکلیف میں ہوں مہمان نوازی، اخلاق کی بلندی، زہد وتقویٰ، جود وسخا، بے نفسی اور فروتنی کا مجسمہ تھے۔ مولانا لطف الرحمٰنؒ جن کو ہم اپنے ہم عصر وہم عمر علماء وساتھی متحدہ ہندوستان کے دور سے مولوی جی کے نام سے پکارتے تھے۔ انہوں نے واقعی طور پر حیات وممات میں اپنے مولوی ہونے کا ثبوت دیا۔ زندگی بھر ایک کٹر اور باعمل مولوی وعالم کے طور پر دین وعمل کی ترویج میں گزاری۔ ساری عمر دین کی اشاعت میں بغیر کسی دنیاوی اجر ومعاوضہ لیے صرف کردی اور اس بے راہ روی، دین سے دوری اور زر پرستی کے دور میں جب کہ علم وفضل کے بڑے بڑے گرانے وخانوادے اکابر کے دنیا سے رخصت ہونے پر علوم دینیہ سے محروم ہو گئے، مولوی جی نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی وہ بھی ماشاء اللہ علما، دیندار، علم پرور اور اپنے والد کے سچے اور پکے "الولد سر لابیہ" کے مصداق ہیں۔ ایک برخوردار مولانا نجم الرحمٰن اپنے والد ہی کے مادر علمی جامعہ حقانیہ کے ممتاز فاضل اور وہیں سے تخصص فی الافتاء والفقہ کی سعادت حاصل کر کے اب جامعہ عثمانیہ پشاور میں اعلیٰ کتب کے مدرس اور افتاء کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر برخورداران حافظ قاری سعید الرحمٰن صاحب انجینئر حبیب الرحمٰن صاحب اور حاجی مسعود الرحمٰن صاحب بھی بحمد اللہ اپنے والد گرامی کے علمی اور دینی راستوں پر گامزن ہیں۔ اب تو وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے مگر علم وعمل سے بھری چند روزہ زندگی اور ان کی متدین اور دین وایمان کی داعی اولاد اور جامعہ دار العلوم حقانیہ اور جامعہ عثمانیہ جیسے اعلیٰ وارفع ادارے جن کو سرپرستی اور دعوات سے نوازتے رہے بعد از وفات ان کے وہ صدقات جاریہ ہیں جو ان شاء اللہ تا قیامت ان کے نامہ اعمال میں محسوب ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ ارحمہُ رحمۃً واسعۃً والحقہُ بسلفہ من النبیّن والصدیقین والشھداء والصالحین۔ آمین

سہارنپور کے قدیم ساتھی

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتھم (دیربابا)

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب تقسیم ہند سے قبل مظاہر العلوم سہارنپور میں تھے۔ وہاں ان کے ساتھ حضرت مولانا عبدالودود صاحب اور حضرت مولانا دوست محمد صاحب بھی تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا حمداللہ جان صاحب ڈاگئی بھی ان دنوں سہارنپور میں پڑھتے تھے۔ میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ وہاں پڑھتا تھا۔ اس وقت میری عمر نو ۹ سال تھی۔ میں ابھی ابتدائی کتب پڑھتا تھا اور یہ حضرات مختصر المعانی پڑھ رہے تھے۔ چونکہ میری عمر کم تھی، اس بناء پر ان حضرت کے ساتھ زیادہ میل جول نہیں تھا تاہم حضرت حکیم صاحبؒ کے اخلاق اور شبانہ روز محنت اور قابلیت سے متاثر ضرور تھا۔ فراغت کے بعد ان حضرات خصوصاً حضرت حکیم لطف الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

حضرت مولانا نجم الرحمٰن صاحب کے ذریعے حضرت حکیم صاحب سے ملاقات ہوتی تھی۔ نہایت با اخلاق تھے اور بہت ہی مدارت سے پیش آتے تھے جامعہ عثمانیہ کی مجلس شوریٰ، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ یا جامعہ عثمانیہ کی دیگر تقاریب میں ان کے ساتھ ملاقات ہوتی رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاق حسنہ کا ایک نمونہ بنایا تھا۔ عالم باعمل اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔ ان جیسے فرشتہ صفت شخص کا وجود اس زمانہ میں غنیمت تھا۔ اپنے اکابر کا نمونہ تھے۔
ہم ان کے جنازے میں شریک ہوئے اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

غم خوار امت

رئیس المبلغین حضرت مولانا حبیب الحق صاحب

حضرت مولانا حبیب الحق صاحب تبلیغی جماعت کی معروف عالمی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم صاحب کے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا حضرت کے بارے میں ان کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے متعلق میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن صفات سے نوازا تھا۔ زبان اس کے بیان اور عقل اس کے ادارک سے عاجز ہے۔ وہ ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔ ایمان، تقوی اور یقین کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ میں نے ان جیسے اخلاق محبت اور اخلاص کسی اور میں نہیں دیکھا۔ یہ میں دل سے کہتا ہوں اور حقیقت حال بیان کرتا ہوں۔ امت کی غمخواری ان کو اسلاف سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس لیے لوگوں کی اصلاح کی فکر ان پر ہر وقت غالب رہتی اپنی جسمانی تکالیف کو بالائے طاق رکھ کر امت کی اصلاح کی فکر میں سرگرم رہتے۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے حصے میں شامل کیا اور ہماری سرپرستی کے لیے ہمیں عطا فرمایا۔ ۱۹۸۷ء میں علماء کے سہ روزہ کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ حضرت حکیم صاحب بھی اس میں شریک تھے۔ ہم نے ان کے لیے علماء کا ایک جوڑ رکھا جس میں مختلف علاقوں کے علماء کرام نے شرکت کی۔ حضرت مولانا عبدالغنی المعروف صوابی مولوی صاحب نے بیان کیا لیکن اس مجلس میں کوئی تیار نہیں ہوا جب بیان ختم ہوا علماء منتشر ہوئے تو میں نے حضرت حکیم صاحبؒ اور دیگر علماء سے ایک قصہ سنایا کہ ایک شخص دودھ بیچ رہا تھا۔ خالص دودھ لے کر بازار گیا پورے بازار میں پھرا لیکن کسی نے اس سے دودھ نہیں لیا جب گھر واپس لوٹا تو برتن سے ڈھکن اٹھا کر کہا کہ دودھ تو بالکل خالص ہے پتہ نہیں لوگوں نے کیوں نہیں لیا چلو میں خود پی لوں گا اس نے سارا دودھ خود پی لیا۔ تو میں نے ان سے عرض کیا آپ نے علماء سے جو بات کی وہ ٹھیک تھی انہوں نے فرمایا ہاں، میں نے کہا اس میں آپ کو کچھ شک تو نہیں، انہوں نے ”نہیں“ میں جواب دیا، تب میں نے کہا جب آپ کی بات ٹھیک ہے اور کوئی قبول نہیں

کرتا تو آپ ضرور اس کو قبول فرمائیں۔چنانچہ اس ترغیب میں تین علماء سال لگانے کے لیے تیار ہوئے جن میں سرفہرست حضرت حکیم صاحبؒ تھے۔ان کے ساتھ حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ بھی سال لگانے کے لیے چلے گئے۔میں جب بھی بیرون ممالک کے سفر سے واپس ہوئے حضرت حکیم صاحبؒ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا کیونکہ اگر میں نہ جاتا اور ان کو اطلاع مل جاتی تو پھر خود تشریف لاتے میں نے ان کی طرح محبت کرنے والا کوئی اور نہیں دیکھا۔میرے ساتھ ان کی کرم نوازی کا خصوصی معاملہ رہتا۔ہمارے گھر کے افراد کی خبر گیری بھی فرمایا کرتے تھے۔خصوصاً میری والدہ محترمہ کے علاج کا بند وبست خود فرماتے اور ان کے لیے دوائی بھیجا کرتے تھے۔ان کی وفات کے وقت میں عمرہ کے سفر میں تھا۔وفات کی خبر سن کر بڑا صدمہ پہنچا کیونکہ ان کی وفات سے ہم ایک عظیم دینی رہنما سے محروم ہوگئے۔اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے۔آمین

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا:

ہماری تبلیغی جماعت میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تینوں ہی مقاصد کے لیے خصوصیت سے جانا چاہیئے۔

(۱) علماء وصلحا کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لیے۔

(۲) اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کو پھیلانے کے ذریعے اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے۔

(۳) مختلف گروہوں میں ان کی متفرق خوبیاں جذب کرنے کے لیے۔

یادِ عہد رفتہ

مولانا مجاہد خان الحسینی دامت برکاتھم العالیہ

حضرت مولانا مجاہد خان الحسینی دامت فیوضھم فاضل دارالعلوم دیوبند اور ضلع نوشہرہ کے جانی پہچانے سیاسی، سماجی اور مذہبی شخصیت ہیں ان دنوں وہ سرحد کی صوبائی اسمبلی کے رکن ہیں، حضرت حکیم صاحبؒ کے بارے میں ان کے مختصر تاثرات ملاحظہ ہوں۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم صاحبؒ میں بہت خوبیاں رکھی تھیں۔ان کا علم بہت مضبوط تھا۔معلومات بہت اعلیٰ اور صحیح تھیں۔اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا تعلق اپنے بھائیوں جیسا تھا۔اساتذہ ان کے ساتھ ان کے اخلاق اور طالب علمانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے بہت محبت رکھتے تھے۔میرے ساتھ گپ شپ میں بہت آزاد تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت فہم عطا فرمایا تھا۔اساتذہ نہ صرف خوش تھے بلکہ ان کے ساتھ ایسی محبت رکھتے تھے جیسے باپ اپنے اولاد کے ساتھ رکھتا ہے۔علم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو خوش اخلاقی بھی عطا فرمائی تھی۔وہ تین چار کتابوں میں میرے ساتھی رہ چکے ہیں۔جو ہم نے مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھی تھیں۔ہر تین چار دن کے بعد ایک پٹھان استاد مولانا نافع گل صاحبؒ کے کمرے میں تمام پٹھان طلبہ اکٹھے ہوتے تھے اور کھانے کا پروگرام بنالیتے تھے دارالعلوم دیوبند میں احاطہ دار جدید میں رہائش پذیر تھے۔

میں صرف ان باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔میں اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ جیسے عالم کے زندگی کے حالات جمع کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔میں اس پر بہت خوش ہوں۔

دار العلوم حقانیہ کے فصیح و بلیغ ترجمان

حضرت مولانا لطف الرحمٰن صاحب جہانگیرہ کے تاثرات

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب میرے ہم نام تھے ۔دار العلوم دیو بند، مظاہر العلوم سہارنپور اور دار العلوم حقانیہ میں ہم اکٹھے پڑھتے تھے میں حضرت حکیم صاحب اور حضرت مولانا قاضی فضل منان صاحب عمرزئی خصوصی دوست تھے دار العلوم دیو بند میں امتحانات کے دنوں ہم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مسجد میں جا کر تکرار کیا کرتے تھے ۔دار العلوم دیو بند میں جب امتحانات کے نتائج آتے تو ہم نام ہونے کی وجہ سے میرے اور حضرت حکیم صاحب کے نام کے ساتھ نمبر ایک اور نمبر دو لکھا ہوتا حضرت حکیم صاحب زمانہ طالب علمی سے اعلیٰ خصوصیات کے حامل تھے ذہانت اور قابلیت میں یکتا تھے تقوی اور اچھے اخلاق کا نمونہ تھے نہایت فصیح و بلیغ مقرر بھی تھے دار العلوم حقانیہ کے زمانے میں بہترین مقرر تھے اور دار العلوم کے لیے تقاریر کیا کرتے تھے ۔اساتذہ کی خدمت ان کا شیوہ تھا۔کبھی لڑائی جھگڑوں میں شریک نہیں ہوئے ۔امتحانات کے دنوں میں شب باشی کر کے امتحان کی تیاری کرتے تھے۔ہمارے ساتھ تکرار بھی کرتے تھے۔زمانہ طالب علمی میں ان کا ایک ممتاز وصف یہ تھا کہ اسباق میں حاضر رہتے تھے کبھی کسی سبق کا ناغہ نہیں کرتے تھے اسی بناء پر اساتذہ ان کو بہت پسند کرتے تھے ۔میں تو بیمار تھا ان کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا ان کی وفات کی خبر سن کر میں بہت رویا ماضی کے بیتے ہوئے لمحات بہت یاد آئے اب حافظہ بھی کمزور ہو چکا ہے وہ واقعات یاد نہیں ۔اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو انوارات سے بھر دیں۔ (آمین)

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز　　نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود　　ہوتی ہے بندہ مؤمن کی آذاں سے پیدا

تقویٰ اور نفاست کے علمبردار

حافظ محمد طاہر صاحب

حافظ محمد طاہر صاحب حضرت حکیم صاحب کے ساتھ سہارنپور میں تھے۔اس کے بڑے بھائی مولانا غلام یزدانی صاحب کے ساتھ حضرت حکیم صاحب کا خاص تعلق تھا حالاً اٹک میں مقیم ہیں۔

میں جس وقت سہارنپور گیا تھا۔اس وقت میں بارہ سال کا تھا ادھر میں نے حفظ شروع کیا۔اس سے پہلے میرے بڑے بھائی مولانا غلام یزدانی مرحوم بھی مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں پڑھتے تھے۔یہ مولانا دوست محمد صاحب کے ساتھی تھے۔مولانا دوست محمد صاحب وہ شخصیت تھے۔جن کو حضرت حکیم صاحب کے والد محترم مولانا غلام حبیب صاحبؒ نگران مقرر کیا تھا وہ حضرت حکیم صاحب کی اخلاقی اور عملی طور پر تربیت کرے۔میں بھی اپنے بھائی مولانا غلام یزدانی صاحبؒ مرحوم کے ساتھ مولانا دوست محمد صاحبؒ کے کمرے میں رہتا تھا۔ہمارے ساتھ کمرے کے ساتھ ہی حضرت حکیم صاحبؒ کا کمرہ تھا۔میں ۱۹۴۵ء تک سہارنپور میں رہا پھر واپسی ہوئی۔اس کے بعد ۲۷ رمضان المبارک کو تقسیم پاک وہند عمل میں آیا جسکی وجہ سے پھر ہم سہارنپور حاضر نہ ہو سکے۔میں نے ادھر تقریباً سات سال گزارے۔اس دوران حضرت حکیم صاحبؒ سے روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔حضرت حکیم صاحب انتہائی خوش پوش اور ملنسار شخصیت تھے۔مظاہر العلوم سہارنپور میں پگڑی باندھتے تھے۔اور بہت ہی نفیس الطبع تھے۔حضرت حکیم صاحب اخلاق کا مجسمہ تھے۔میرے ساتھ بہت ہی شفقت سے پیش آتے تھے۔ہر وقت خوش وخرم رہتے تھے۔اللہ نے **ان** کو بہت اعلیٰ صفات عطاء کیے تھے۔ان میں تواضع،ملنساری،صبر واستقامت،تقویٰ و پاکدامنی اور صلہ رحمی میں سبقت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔وہ ایک حقیقی مسلمان کا عملی نمونہ تھے۔بدقسمتی سے میں ان کے جنازے میں شرکت نہ کر سکا۔کیونکہ مجھے بعد میں پتہ چلا۔باری تعالیٰ ان کے حلقہ وابستگان اور پسماندگان کو اس عظیم صدمے پر صبر جمیل عطاء فرمائے۔اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔امین

مستجاب الدعوات شخصیت

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب فاضل حقانیہ خطیب باچائی ضلع صوابی

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب کا شمار دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء میں ہوتا ہے۔ جو حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے خدام میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم صاحب کے متعلق کیا تاثر رکھتے ہیں۔

حضرت حکیم صاحب کے ساتھ ہمارا خاندانی تعلق تھا۔ جب میں تقریباً ۱۰ سال کا تھا۔ تو میرے والد محترم جو مسجد کے امام تھے۔ جمعہ کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت حکیم صاحب کے والد محترم جمعہ پڑھاتے تھے۔ بہت سارے لوگ انکی تقریر سننے کے لیے آتے تھے۔ انکے والد محترم عجز انکسار کا نمونہ تھے۔ میں پہلی ملاقات میں ان سے اتنا متاثر ہوا کہ آج تک نہیں بھولا۔ حضرت حکیم صاحبؒ کی ذات انکے والد محترم کی صفات کی مظہر ہے۔ حضرت حکیم صاحبؒ نہایت عاجز، ملنسار اور متقی تھے۔ ہم جسمانی علاج کے لیے صوابی سے آتے تھے۔ لیکن جسمانی علاج سے زیادہ ہمیں روحانی شفا ملتی تھی۔

جب میں حقانیہ میں سبق پڑھتا تھا۔ اور حضرت حکیم صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی ملاقات کے لیے آتے تھے۔ تو حضرت شیخ صاحبؒ انکی انتہائی عزت واحترام کرتے تھے۔ جسکی وجہ ہمارے دلوں میں انکی قدر و منزلت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ آپ بڑے فیاض انسان تھے۔ اپنے ہاتھ مبارک سے ہمیں کھلاتے تھے۔ کھانا کھائے بغیر کبھی بھی رخصت نہیں کیا۔ ہم عذر کرتے تھے کہ ٹائم کم ہے فرماتے تھے۔ جب میرے پاس آتے ہو تو کھانے کے لیے وقت نکالا کرو۔

آپ مستجاب الدعوات تھے۔ ہمیں کوئی بھی مشکل پیش آتی۔ دعا کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ میرا بیٹا عبدالرشید جو کہ اب طالبعلم ہے اس کو میں نے دعا کے لیے حاضر کیا تھا۔ انہوں نے میرے بیٹے کو علم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ اور دعا کی اس دعا کی وجہ سے اب پڑھ رہا ہے۔ میرا بھتیجا عبدالغفور جو حضرت کے معتقدین میں ہے۔ کہتے تھے۔ کہ مجھے حکیم صاحب کی دعاؤں

پر کامل یقین ہوتا تھا۔کوئی بھی کام پیش آتا۔تو میں دعا کے لیے حاضر ہوتا۔اگر حاضری مشکل ہوتی۔تو مسعود صاحب کوفون کرتا تھا۔وہ دعا فرماتے تھے۔ہمارا کام ہوجاتا تھا۔میرا نواسہ عبدالرحمٰن کو ایسی مشکل پیش آئی جسکے حل ہونے کی امید ہی نہیں تھی۔ہم نے فوراً حضرت سے رابطہ کیا۔انہوں دعا فرمائی وہ مشکل بہت جلد حل ہوگئی۔جس سے ہم حیرت میں پڑ گئے۔

میں نے انکی کرامات کا مشاہدہ کیا ہے۔جسطرح انکی دعا کارگر تھی اسی طرح انکو اذیت پہنچانے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے نشانہ عبرت بنایا۔علاقے کے لوگ اس سے خوب واقف ہیں۔انہوں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔انکے علاج سے ہزاروں لوگوں کی شفایابی بھی کرامت تھی۔لوگ عقیدت کے ساتھ علاج کے لیے آتے تھے۔بعض لاعلاج مریض دوا سے صحت یاب ہوتے تھے۔وفات سے چند دن پہلے میں دعا کے لیے حاضر ہوا حضرت کی طبیعت خراب تھی لیکن میرے آنے سے بہت خوش ہوئے اور پورے دو گھنٹے مجھے اپنے پاس بٹھائے رکھا۔آپکی وفات کے وقت اہل وعیال کا حوصلہ دیکھا یہ بھی انکی دعاؤں کا اثر تھا۔الغرض ہم ایک سعادت اور خیریت کے ایک بڑے خزانے سے محروم ہوئے۔**موت العالم موت العالَم**
اللہ تعالیٰ انکو خواص کے انعامات سے نوازے (آمین)

خزاں کے بعد دور فصل گل آتا ہے گلشن میں
چمن والوں خزاں میں پھول مرجھایا ہی کرتے ہیں
میرے مذہب میں کیفی جرم ہے احساس مایوسی
مسلماں داستان عظمت کی دہرایا ہی کرتے ہیں

خاندانی پس منظر
اور
سوانح عمری
ابن حضرت حکیم صاحبؒ
حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن
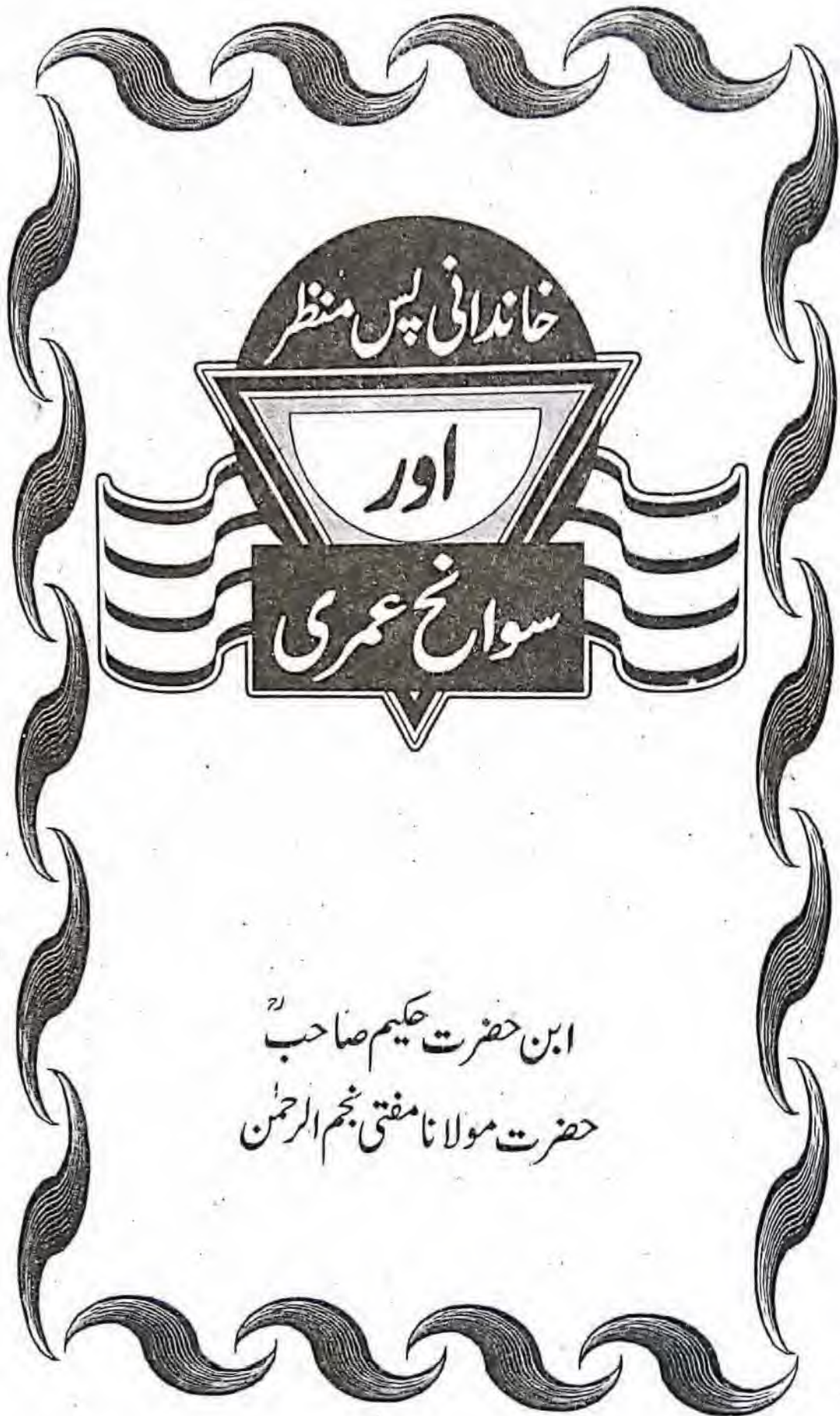
خاندانی پس منظر وسوانح عمری

مفتی نجم الرحمٰن بن حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ

مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب جامعہ عثمانیہ کے استاد حدیث اور نائب رئیس دارالافتاء ہیں۔ سرپرست اعلیٰ مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند ہونے کے ناطے اور "صاحب البیت ادریٰ بما فیہ" کے بمصداق والد مرحوم کی سوانح عمری تفصیلاً زیب قرطاس لانے کے زیادہ مستحق قرار پائے۔ زیر نظر مضمون ان کا تحریر شدہ ہے (ادارہ ماہنامہ العصر)

خاندانی پس منظر

جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب علم وعرفان کی دولت سے مالا مال سعادت مند خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ کیونکہ از اول تا آخر سلسلہ نسب پر نظر ڈالتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ نسب کی اس لڑی سے وابستہ ہر ایک فرد اپنے دور کا گوہر نایاب یکتائے روزگار خدا شناس عالم دین سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ ہمارے علاقے میں عام طور پر پورا سلسلہ نسب اور ہر ایک کی تفصیلی حالات محفوظ رکھنے کا رواج بہت کم پایا جاتا ہے اس لیے سند کے ساتھ مکمل سلسلہ نسب بیان کرنا مشکل ہے۔ البتہ باوثوق ذرائع سے جو یقینی معلومات ان کے آباء و اجداد سے حاصل ہوئی ہیں قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے جد امجد ولی کامل حضرت العلامہ ولی محمد صاحبؒ اپنے آباء واجداد سے سینہ بہ سینہ تسلسل کے ساتھ خاندانی پس منظر کے متعلق فراہم شدہ معلومات کے مطابق بڑے وثوق کے ساتھ فرماتے تھے کہ ہمارا سلسلہ نسب عرب کے مشہور معزز قبیلہ قریش سے جاملتا ہے ہمارے آباء واجداد جہاد کے لیے افغانستان آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے ضلع صوابی کے ایک قصبہ زروبی میں قیام پذیر ہوئے اس لیے اب بھی زروبی میں ان کے بعض رشتہ دار موجود ہیں۔ پھر وہاں سے دریا عبور کرکے علاقہ چھچھ ضلع اٹک کے ایک قصبہ شینکہ میں مستقل سکونت اختیار کی

حضرت حکیم صاحبؒ کے والد محترم حضرت العلامہ مولانا غلام حبیب صاحبؒ بھی اسی طرح حالات بیان کرتے تھے، جنکا تذکرہ حضرت حکیم صاحبؒ کی والدہ ماجدہ کثرت سے کرتی تھیں۔
اٹک کا یہ علاقہ اس دور میں جید علماء کرام کا مسکن اور علم کا مرکز تھا دور دراز سے تشنگان علوم نبوت حصول علم کے لیے آتے تھے محدث کبیر حضرت مولانا نصیرالدین صاحب غورغشتویؒ کا حلقہ درس حدیث بھی اس تسلسل کا ایک نمونہ تھا جو شینکہ سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے ان کے علاوہ مشہور محدث اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کاملپوری اور شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ جیسی شخصیات کا بھی یہ مسکن رہا چونکہ سلسلہ نسب کا تحریری ثبوت موجود نہیں تھا اس لیے احتیاطی پہلو کو مدنظر رکھ کر حضرت حکیم صاحبؒ نے کبھی بھی اپنی نسبت لوگوں پر ظاہر نہیں کی اگرچہ تنہائی میں فرماتے کہ ہمارے آباء واجداد سے منقول ہے کہ ہمارا نسبی تعلق قریش خاندان سے جا ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم صاحبؒ کے چچوں کی اولاد جو مکہ مکرمہ کے باشندے ہیں وہاں ان کا خاندانی تعارف القرشی نسبت سے ہوتا ہے۔ ان میں عبدالصمد القرشی اور محمد القرشی وغیرہ عطورات کے کاروبار کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے آباء واجداد کے حالات:

حضرت حکیم صاحبؒ کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے مولانا لطف الرحمٰن بن مولانا غلام حبیب بن مولانا ولی محمد صاحب بن ملا میر صاحب مولانا دوست محمد صاحبؒ بن مولانا اللہ داد صاحبؒ بن مولانا عبدالہادی صاحبؒ اس سے آگے سلسلہ نسب کسی نے محفوظ نہیں کیا۔ مولانا عبدالہادی صاحبؒ موضع شینکہ میں مقیم رہے علمی ودینی خدمات میں مصروف رہتے ہوئے زندگی بسر کی۔ پھر انکی اولاد میں علم وعرفان کی دولت سے مالامال ہونے اور دوسروں کو روشناس کرانے کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ مولانا میر محمد صاحبؒ نے بہترین جانشین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اولاد کی ایسی تربیت کی کہ ان میں سے جو بھی جس علاقے میں قیام پذیر ہوا وہاں علمی وروحانی

کمالات کا سکہ بنایا اور مخلوق خدا کی صحیح رہنمائی کی۔ بعض نے اپنے آبائی علاقے کو محنت کا میدان بنایا اور بعض نے دوسرے علاقوں میں جا کر فیض عام کیا۔ اور یہاں سے خاندان مختلف علاقوں میں پھیلانا شروع ہوا چنانچہ شینکہ مقام میں ایک معروف شخصیت گزری ہیں۔ جو فقہی بابا کے نام سے مشہور تھیں۔ دور دراز سے طلباء ان سے فقہ پڑھنے کے لیے آتے تھے جنکا تذکرہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کاملپوری اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ سہارنپور میں حضرت حکیم صاحب سے فرماتے تھے انہوں نے فرمایا کہ فقہی بابا کو فقہ روایات کے ساتھ یاد تھی صرف فقہ پڑھاتے تھے۔

دوسری قابل ذکر شخصیت حضرت مولانا غلام محمد صاحب عرف اخی بابا تھے۔ شینکہ سے آکر موضع تنگی ضلع چارسدہ میں مقیم رہے ان پر روحانیت کا غلبہ رہتا تھا۔ روحانی فیوضات کے حصول کے لیے سالکین ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان کی اولاد نہیں تھی۔ سخاوت میں مشہور تھے۔ انکی سخاوت کا ایک خاص طریقہ تھا کہ جتنے لوگ پورے ہفتہ میں جو تحائف لاتے تھے اور جمع ہوجاتے تھے۔ تو نماز جمعہ کے بعد اعلان کرتے تھے کہ حاضرین کو جو چیز بھی ملے لے جائیں ان کی خانقاہ میں موجود سب چیزیں لوگ لے جاتے تھے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی تھی پوری زندگی ان کا یہی معمول رہا۔ اس وقت انگریزوں کی ثقافت نے پروان چڑھنا شروع کیا تھا۔ اس لیے لوگ داڑھی منڈوانے اور بڑی بڑی مونچھیں رکھنے کی رسم بد میں مبتلا تھے۔ اخی بابا اس کے خلاف بھرپور تحریک چلاتے تھے۔ جو بڑی مونچھوں والا نظر آتا تھا لوگ اس کی مونچھیں صاف کردیتے تھے۔ رشد وہدایت کا یہ منبع تنگی ہی میں وفات پا گیا اور وہاں کے مرکزی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے جد امجد:

ملا میر صاحب کی اولاد میں تیسری اہم شخصیت حضرت حکیم صاحبؒ کے جد امجد عارف باللہ علامۃ الدہر مولانا ولی محمد صاحبؒ تھے جنہوں نے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد روحانی مدارج طے کرنے کی غرض سے مانکی شریف کا رخ کیا اس وقت مانکی شریف اہل اللہ کے لیے

مرجع خاص تھا اور خانقاہ پر مخلصین متبعین شریعت کی گرفت تھی اپنے صفائے قلبی کی بنا پر بڑی تیزی سے سلوک کے مراحل طے کرکے خواص کی صف میں شامل ہوئے وہاں سے ان کو خلعت خلافت نصیب ہوئی۔ پھر حسب ارشاد موضع جلوزئی میں مستقل سکونت اختیار کی لیکن ان کا مزاج علمی تھا اس لیے زیادہ تر توجہ علمی مشاغل کی طرف رہی۔ اپنی پونجی دینی کتب جمع کرنے پر صرف کی۔ اس لیے ان کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا زیادہ تر اوقات مطالعہ میں صَرف کرتے تھے۔ جو کتابیں فی الحال موجود ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ ہر فن سے ان کی وابستگی رہی بڑی گہرائی سے مطالعہ کرتے تھے کیونکہ ہر کتاب کے حاشیہ پر جگہ جگہ ان کے تحقیقی نکات ثبت ہیں۔ انہوں نے کتاب کے ابتدائی ورق پر اپنے ذوق کے مطابق کتاب میں موجود اہم اور دل چسپ مباحث کی نشاندہی کی ہے۔ فقہ میں زیادہ تر شامی، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، فتح القدیر اور تفسیر میں روح المعانی اور روح البیان اور امام غزالیؒ کی کتاب "احیاء العلوم" کا کثرت سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کی دادی کے بیان کے مطابق جب مطالعہ کرتے تھے تو لکڑی کے سٹینڈ پر ٹھوڑی رکھتے تھے اور بازو لگا کر کتاب ہاتھوں میں اٹھا کر مطالعہ کرتے تھے۔ زیادہ مطالعہ کرنے کی وجہ سے ان کے بازو ٹخنوں کی طرح پک گئے تھے۔ تفسیر روح البیان کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اس لیے اس کے مطالعہ سے فارغ ہو کر پشتو میں شعر پڑھتے تھے۔

ما په ناز پاللے روح البیانه چه زه نه یم تا به څوک سنباله وینه

(ترجمہ) اے روح البیان میں نے تجھے بڑے ناز و ادا کیساتھ پال رکھا ہے۔ میرے بعد نہ جانے کون آپ کی اتنی آؤ بھگت کرے گا۔

موصوف بہترین خطاط تھے۔ عربی اور پشتو زبان کے بہترین شاعر تھے۔ منظوم خطبے بناتے تھے۔ ان کے مخطوطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فن قراءت سے بھی ان کو خاص دل چسپی تھی۔ انہوں نے بڑے پیارے انداز میں اپنے رسم الخط سے جزری کا مقدمہ لکھا ہے اور اس پر حاشیہ اور نکات بھی عربی زبان میں لکھے ہیں چنانچہ اس مخطوطے کے آخری صفحہ کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔ جس پر اس کا دستخط اور تاریخ بھی موجود ہے۔

مخطوطے کا عکس

إلا بفتح أو بنصب وأشم ... إشارة بالضم في رفع وضم

وأبياتها قاف وزاي في العدد ... من يتقن التجويد يظفر بالرشد

وقد تقضى نظمي المقدمة ... مني لقارئ القرآن تقدمة

والحمد لله لها ختام ... ثم الصلوة بعد والسلام

على النبي المصطفى وآله ... وصحبه وتابعي منواله

قد فرغت من كتب النسخة المستطابة المسماة المباركة المشهورة بمقدمة الجزرية في علم القراءة مع شرحها الذي يسمى دقائق المحكمة من يد عبد الضعيف ولي محمد الراجي من الله رحمة

يلوح الخط في القرطاس دهراً ... وكاتبه رميم في التراب

١٢٤٣

علمی اور روحانی کمالات کی بدولت پورے خٹک نامہ میں باہمی تنازعات اور مسائل کے حل کے لیے مرجع سمجھے جاتے تھے۔ اظہار محبت کے طور پر لوگوں نے اپنی جائیداد کا کافی حصہ ان کے نام منتقل کیا لیکن موصوف کی التفات ان چیزوں کی طرف نہیں رہتی تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنی زندگی میں درویش صفتی کو اپنا شعار بنا رکھا۔ اس دور میں وسائل بہت کم تھے اس لیے حج کا سفر بہت مشکل تھا اکثر پیدل جاتے تھے۔ حضرت والاؒ نے عاشقانہ جذبے کے تحت یہ کٹھن مرحلہ ایک سال میں طے کیا۔ اس لیے ان کے پیدل سفر حج پر پورا ایک سال لگ گیا تھا۔

اکابرین دیوبند سے قلبی تعلق کی بنا پر تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے ان کی اولاد نے وہاں کا رخ کیا ابتدائی اسباق انہوں نے خود پڑھائے ان کی اولاد میں حضرت حکیم صاحبؒ کے والد محترم سب سے بڑے تھے۔ دادی صاحبہ کے بیان کے مطابق حضرت حکیم صاحبؒ کے والد محترم بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول بھی رہتے تھے۔ والدہ نے ان کے والد سے شکایت کی کہ آپ اس کو پڑھاتے نہیں یہ بچہ ضائع ہو جائے گا۔ تو فرمایا جو سبق میں پڑھاتا ہوں وہ اس کو یاد رہتا ہے تو کیوں منع کروں اور پھر فرمایا کہ مجھے اس بچے کے منہ سے علم کی بو آرہی ہے۔ چنانچہ یہ پیشن گوئی ''ولی ہرچہ گفت دیدہ گفت'' کا مصداق بن کر سو فیصد درست ثابت ہوئی۔ ابھی انہوں نے اپنی عمر کی صرف اڑتالیس بہاریں لٹائی تھی عوام و خواص کی تشنگی باقی تھی کہ موت نے آغوش میں لے لیا۔ یوں ۲۲ صفر ۱۳۲۸ھ کو دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اور صدقہ جاریہ کے طور پر تین بچے اور ایک بچی چھوڑ گئے جن کی تربیت ان کی والدہ محترمہ نے کی۔

جد امجد کی اولاد کا تذکرہ:

جد امجد کی اولاد میں تین بیٹے حضرت مولانا غلام حبیب صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحمید صاحبؒ حافظ عبدالجلیل صاحبؒ اور ایک بیٹی تھی جو قاضی شاکر اللہ صاحب آف جلوزئی کے عقد نکاح میں رہی۔ حضرت مولانا غلام حبیب صاحبؒ حضرت حکیم کے والد محترم تھے

سب سے بڑے تھے حکیم صاحب کے حالات کی مناسبت سے ان کے تفصیلی حالات آخر میں ذکر کیے جائیں گے۔ دوسرے نمبر پر حضرت مولانا عبدالحمید صاحبؒ تھے جو ایک جید عالم دین اور ماہر طبیب تھے۔ ۱۳۱۷ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کی اور اپنا علمی سفر دارالعلوم دیوبند پر پورا کیا۔ علوم سے فراغت کے بعد ان کی زیادہ تر توجہ طب کی طرف رہی۔ یونانی طب میں ان کی مہارت وشہرت مسلم تھی اس لیے دور دراز سے لوگ علاج کے لیے آتے تھے۔ طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پشتو، فارسی اور عربی زبان کے بہترین ادیب اور شاعر تھے۔ جس موضوع پر کلام پیش کرتے تھے۔ سحر انگیز اشعار کی بدولت اہل مجلس لوٹ پھوٹ ہو جاتے۔ انہوں نے بعض احادیث کا فارسی زبان میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان کے فرزند ارجمند اور حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے دست راست اور خادم خاص حاجی غیاث الانام صاحب اکثر ترنم سے سناتے ہیں۔ ان کے اشعار حضورﷺ کی صفات، نصیحتوں اور علاقائی غلط رسومات کی تردید پر مشتمل ہیں۔ اس لیے اگر ان کا مجموعہ چھپ جائے تو لوگوں کے لیے اصلاح کے اعتبار سے بڑا مفید ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ جلوزئی کی مرکزی جامع مسجد کی خطابت کی خدمات بھی سرانجام دیتے تھے اور انہی دینی خدمات میں حیات مستعار کے لمحات کو قیمتی بنایا۔ سرپرست اعلیٰ کے دوسرے چچا حافظ عبدالجلیل صاحبؒ تھے جو ایک اور نیک خو انسان تھے حالات کی نامساعدی کی وجہ سے علمی سفر جاری نہ رکھ سکے اور یہ طب کے پیشہ سے منسلک رہے۔ ان کی اولاد میں سرفہرست حاجی عبدالودود صاحب ہیں۔ جو حضرت حکیم صاحب کے بہنوئی ہیں۔ سفر وحضر میں ہمیشہ حضرت حکیم صاحب کے ہمراہ رہ چکے ہیں۔ علمی اسفار میں ان کا ذکر آئے گا۔

حضرت حکیم صاحب کے والد محترم:

حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ کے خلف الرشید، بڑے صاحبزادے حضرت حکیم صاحبؒ کے والد محترم اُستاذ العلماء، محقق دوراں، قامع البدعہ اور مناظر اہل حق حضرت العلامہ مولانا غلام حبیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت تبحر علمی کی وجہ سے اہل علم کے لیے مرجع

تھی۔ ۱۳۱۳ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی اسباق اپنے والد محترم سے پڑھنا شروع کئے لیکن بہت جلد ہی ان کے سایہ شفقت سے محروم ہوئے۔ پھر طورو مردان میں بعض کتب پڑھنے کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے اور ابتدائی درجات سے اخیر تک تمام اسباق وہاں پڑھے۔ ان کی کتابوں سے نور الانور کے سالانہ امتحان کا سوالیہ پرچہ ملا ہے۔ جس پر مظاہر العلوم سہارنپور کی مہر لگی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتدائی درجات وہاں پڑھنا شروع کئے تھے۔ انہوں نے احادیث محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری سے پڑھی تھیں۔ ان کی سند فراغت پر حضرت سہارنپوریؒ اور دیگر مشائخ کے دستخط تھے۔ فراغت کے بعد جلوزئی میں قیام پذیر ہوئے علمی کمالات کی بدولت بہت کم عرصہ میں ان کو خواص میں شہرت حاصل ہوئی۔

والد صاحبؒ کی مردان آمد:

حضرت حکیم صاحبؒ کا رہائشی گاؤں تمبولک جو شوگر ملز مردان کی پشت کی جانب بائی پاس روڈ سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں کے باشندوں کا مانکی شریف کے ساتھ پرانا تعلق تھا۔ گاؤں کے معززین نے مانکی شریف والوں سے بڑے عالم دین تلاش کرنے کی تمنا کی انہوں نے والد محترم کے پاس بھیجا۔ معززین نے آکر جامع مسجد تمبولک کی خطابت سنبھالنے کی درخواست کی۔ ان کے ذوق وشوق اور منت سماجت کے سامنے بے بس ہوکر مطالبہ تسلیم کیا اور یہاں تشریف لائے۔ یہ حضرت حکیم صاحبؒ کے بچپن کا زمانہ تھا۔

تدریسی زندگی:

والد محترم چونکہ علم کے بحر بیکراں اور تدریسی مزاج کے مالک تھے اس لیے انہوں نے یہاں آکر اپنی تدریس کا آغاز کیا۔ چونکہ وہ اس میدان کے عظیم شاہسوار تھے، اس لیے اطلاع ملتے ہی مختلف علاقوں سے پڑھنے کے لیے طلباء کی آمد شروع ہوئی۔ اس وقت مدارس کا کوئی خاص نظام نہیں تھا۔ بعض طلباء مسجد میں قیام اختیار کرتے تھے۔ گاؤں والے ان کے خورد ونوش کا انتظام کرتے تھے۔ بعض طلباء قریبی مساجد میں رہتے تھے سبق پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ چونکہ اس وقت

درجہ بندی سے اسباق پڑھنے کا نظام نہیں تھا بلکہ بیک وقت طلباء مختلف کتب پڑھتے تھے۔اس لیے ان کی خواہش کے مطابق کتابیں پڑھاتے تھے۔بعض فضلاء بھی احادیث پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ احادیث میں بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف کی تدریس میں اُنکو خاص ملکہ حاصل تھا اس لیے فضلاء بھی شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے شریک ہوتے تھے۔ بیضاوی شریف مستقل ان کے درس میں شامل رہتی تھی۔ بیضاوی شریف کے نسخہ کے حاشیہ پر ان کی لکھی گئی تحقیقات اور جگہ جگہ قیمتی علمی نکات آج بھی ان کے علمی رسوخ کی گواہی دیتی ہیں۔اس کے علاوہ منطق میں سلم العلوم، اصول فقہ میں توضیح تلویح تدریس کا مسلسل حصہ رہیں۔وہ بیک وقت کئی کتابیں پڑھاتے تھے اکثریت منتھی طلباء کی تھی، انکے تمام اوقات تدریس میں گزرتے تھے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی والدہ محترمہ کے بیان کے مطابق فجر نماز کے بعد ناشتہ کر کے پڑھانے کے لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے پھر دوپہر اور شام کے کھانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔باقی تمام اوقات میں سبق پڑھاتے تھے اور پڑھانے سے جو وقت بچ جاتا تھا وہ دیگر کتب کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ان کا مطالعہ صرف تدریسی کتب تک محدود نہیں تھا الماریوں میں موجود ان کی کتب اور جگہ جگہ موجود اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسیع اور عمیق مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے۔

علاقے کے جید علماء پر ان کا اثر:

علمی کمالات کی بدولت علاقے کے جید علمائے کرام پر انکا بڑا اثر تھا معروف عالم دین حضرت حکیم صاحب آف ہوتی کا اصرار تھا۔کہ آپ شہر میں آئیں کسی مرکزی مسجد کو سنبھالیں آپ دیہات کے لائق نہیں لیکن گاؤں والوں کی مخلصانہ محبت اور انکی سادہ مزاجی حائل بنی اس دور میں ضلع مردان کا بڑا قصبہ طورو علم کا مرکز تھا اس لیے اسکو علم کا بخارا کہا جاتا تھا۔طورو کے جید علماء کرام حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب عرف گل بادشاہ صاحب اور حضرت مولانا قاضی سلطان محمود صاحب کا ان کے ساتھ قریبی تعلق تھا علاقے کے اہم مسائل میں انکی طرف مراجعت کرتے تھے

مناظروں میں شرکت:

مسائل کی تحقیق میں اعتدال پسندی کے قائل تھے۔افراط وتفریط اور بے جا بحث وتکرار کے مخالف تھے اس لیے مناظروں میں بطور حکم وثالث شرکت فرماتے تھے۔چونکہ وہ انانیت سے عاری دنیاوی لالچ سے پاک شخصیت تھے ۔اس لیے طرفین ان پر اعتماد کرتے تھے لیکن جہاں ضرورت پڑتی تو اہل حق کی جانب سے مناظر کی حیثیت سے بھی شامل ہوتے تھے اس دور میں مشہور منطقی متہ ملا کے توڑ کے لیے علماء انھیں پیش کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انکو مضبوط قوت حافظہ سے نوازا تھا۔اس لیے حوالہ پیش کرنے میں ان کو کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ان کے ساتھ مناظروں میں شریک علماء فرماتے تھے کہ جب مناظرہ میں یہ ہمارے ساتھ ہوتے تھے تو ہمیں حوالہ پیش کرنے کی فکر نہیں ہوتی تھی۔اس لیے مخالفین کو جب مناظرہ میں ان کی شرکت کا علم ہوتا تو وہ مناظرہ چھوڑ دیتے تھے۔

قادیانی کے ساتھ مناظرہ:

اس دور میں قادیانیت کے فتنے نے سر اُٹھانا شروع کیا تھا انہوں نے قادیانیوں کا خوب تعاقب کیا۔ جہاں بھی جاتے تقاریر اور دیگر مجالس میں ان کی تردید کرتے تھے۔جلوزئی گاؤں میں ایک قادیانی رہتا تھا جس نے بڑا فتنہ برپا کیا تھا حضرت مولانا صاحب بھی جنازہ میں شرکت کے لیے آئے تھے۔سب لوگوں کی موجودگی میں انہوں نے قادیانی سے مناظرہ شروع کیا اور پوچھا کہ " لانبی بعدی "کا کیا مطلب ہے اس نے کہا میری مثل دوسرا نبی نہیں ہے اس سے نفس نبی کی نفی نہیں ہوئی ہے۔تو حضرت نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ "لا الہ الا اللہ" کا کیا مطلب ہے تیری تشریح کے مطابق تو پھر ثابت ہونا چاہیئے کہ اللہ کی مثل دوسرا خدا نہیں، نفس خدا موجود ہو سکتا ہے۔کیونکہ دونوں جگہ ایک ہی لفظ لا استعمال ہوا ہے یہ سن کر وہ لاجواب ہوا۔پھر انہوں نے مزید تشریح کی اور سب حاضرین نے بیک زبان اس کو کافر کہا اور قطع تعلق کا اعلان کیا۔اس کے علاوہ ان کو جہاں بھی معلوم ہوتا کہ کوئی قادیانی گمراہی پھیلانے میں سرگرم ہے۔تو مقابلے کے لیے جاتے تھے۔چنانچہ ضلع نوشہرہ کے ایک بڑے قصبہ رشکئی میں بڑے مجمع کے سامنے قادیانیوں سے مناظرہ ہوا تھا اور سب کو لاجواب کیا تھا۔مناظرہ کی بدولت وہ علاقہ قادیانی فتنہ سے محفوظ رہا۔

قابل تحقیق مسائل پر علماء سے بحث:

جب بھی کسی موقع پر علماء کی مجلس قائم ہوتی تو ان کی خواہش ہوتی تھی کہ کسی تحقیقی مسئلہ پر بحث ہونی چاہیئے۔ اس لیے ان کے سامنے ضرور کوئی مسئلہ چھیڑا جاتا تھا۔ تو حضرت مولانا بڑے اعتماد کے ساتھ بحث کرتے تھے اور دلائل کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتے تھے ایک دفعہ مردان کے مضافات میں واقع شہید کلے میں ایک معروف علمی شخصیت جو قاضی شمس الضحیٰ کے والد محترم تھے۔ کے جنازہ کے موقع پر جسمیں لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ علماء کی بھی خاص تعداد تھی جمعہ کا دن تھا پہلے سے وہاں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ تعداد کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا صاحبؒ نے علماء سے مشورہ کر کے جمعہ نماز پڑھنے کا فیصلہ کیا لوگوں نے جمعہ کی تیاری کی عین نماز کے وقت بعض علماء نے اعلان کیا کہ یہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی۔ انتشار سے بچنے کی خاطر والد محترم نے خاموشی اختیار کی لیکن جوں ہی لوگ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو والد محترم نے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر ان لوگوں کو سر عام دعوت دی جنہوں نے اعلان کیا تھا کہ یہاں جمعہ نہیں ہوتا کہ آپ میرے ساتھ بحث کریں اور یہ ثابت کریں کہ جمعہ کی نماز نہیں ہوتی آپ لوگوں نے جمعہ کی نماز سے سب کو محروم کیا ہے جو شرائط یہاں نہیں پائی جاتیں وہ آپ کے علاقے میں بھی موجود نہیں وہاں کیوں پڑھتے ہو۔ "ماھو جوابکم فھو جوابنا" حضرت حکیم صاحبؒ خود آنکھوں دیکھا حال سناتے تھے اور فرماتے تھے کہ طورو کے جید علماء کرام مولانا گل بادشاہ صاحب اور مولانا قاضی سلطان محمود صاحب نے انکے سامنے دامن پھیلایا اور منت سماجت کی کہ ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تو ان حضرات کی بات مان کر مجلس ختم کر دی۔

نزاعی مسئلہ کے سلسلہ میں پنڈی سرھال کے قاضی صاحب سے ملاقات:

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی نے اپنی کتاب تجلیات رحمانی میں صفحہ ۱۰۲ پر ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ پنڈی سرھال کے بعض شیوخ جو مانکی شریف سے منسلک تھے۔ انہوں نے پیر صاحب کی خدمت میں شکایت کی کہ ہمارے گاؤں کے

مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب ضاد کو مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں مانکی شریف سلسلے والے اس کے شدید مخالف تھے انہوں نے درخواست کی کہ کسی ایسے عالم دین کو بھیج دیں جو قاضی صاحب سے مناظرہ کرسکیں۔ پیر صاحب نے مولانا غلام حبیب صاحب کو بھیجا انہوں نے پنڈی سرھال کے شیوخ کے ساتھ رات قیام کیا۔ صبح قاضی صاحب کے پاس آئے آنے کا مقصد بیان کیا۔ کہ آپ ضاد کو مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ حکمت عملی سے ان کے ساتھ معاملہ طے ہونا چاہیئے۔ باتوں باتوں میں قاضی صاحب نے دریافت کیا آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا سہارنپور میں قاضی صاحب نے فرمایا وہاں میرے شاگرد مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری کو جانتے ہیں۔ مولانا غلام حبیب صاحب نے فرمایا وہ تو میرے شفیق اُستاد اور بہت بڑے عالم ہیں یہ سن کر مولانا غلام حبیب صاحب نے معذرت کی کہ آپ تو میرے استاد الاستاد ہیں آپ سے مناظرہ نہیں کرسکتا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ اس بہانے آپ سے ملاقات ہوئی قاضی صاحب بہت خوش ہوئے اظہار محبت کے طور پر انکو ٹھہرانے میں شرکت کی دعوت دی۔ مولانا غلام حبیب صاحب نے تنہائی میں فرمایا کہ میں دعوت قبول نہیں کرسکتا۔ ورنہ یہ سب شیوخ مجھ کو مانکی شریف میں بدنام کردیں گے۔

ہاتھیان مردان میں علماء کی مجلس میں ایک تحقیقی بحث:

حضرت حکیم صاحب کے استاد حضرت مولانا جمیل احمد صاحبؒ ایک متقی جید عالم دین تھے اور ہاتھیان مردان میں خطیب تھے، فرماتے تھے کہ ایک دفعہ کسی پروگرام میں شرکت کے لیے یہاں تشریف لائے تھے علاقے کے علماء کرام بھی زیارت کے لیے جمع ہوئے۔ مجلس میں کسی نے قرانی کلمہ "یتقہ" کی تحقیق طلب کی آپ نے تفصیل بیان کی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ یہ تحقیق غلط ہے۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا مجھے تو اس طرح یاد ہے مولوی صاحب نے کہا بیضاوی میں اس طرح لکھا ہے انہوں نے فرمایا آپ کے پاس بیضاوی ہے تو لاؤ مولوی صاحب لانے چلے گئے۔ مولانا جمیل احمد صاحب فرماتے تھے۔ جب وہ چلا گیا۔ تو میں نے

اپنے ساتھ کہا تیری تیاناس ہو کس کے پاس بیضاوی لا رہے ہو جب واپس آیا حضرت نے فرمایا پڑھو جب اس نے ایک لکیر عبارت پڑھ لی تو حضرت نے اس کے ہاتھ سے بیضاوی کھینچ لی۔ اور فرمایا کہ ایک لکیر عبارت پڑھنے میں تم نے آٹھ غلطیاں کیں پھر خود عبارت پڑھی۔ اور بیضاوی کی تحقیق علماء کی مجلس میں پیش کی سب نے تسلیم کر لی انکی زندگی اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ علمی و تحقیقی کمالات سے مالا مال تھے۔ لیکن عجز و انکساری انکی شناخت بن چکی تھی اس لیے انہوں نے کبھی بھی کسی مجلس میں اس بنیاد پر بحث نہیں چھیڑی تھی کہ لوگوں پر علمی رعب بٹھا سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے دور کے اہل حق خدا ترس علماء کے ہاں منظور نظر اور معتمد شخصیت سمجھی جاتی تھی۔

غلط رسومات کا خاتمہ:

حضرت مولانا صاحب بڑی حکمت کے ساتھ علاقے کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے غلط رسومات کی تردید فرماتے تھے جب مردان تشریف لائے تو تمبولک کا قبرستان جو اس وقت مرکزی قبرستان تھا دور دراز علاقوں کے لوگ یہاں اپنی میت دفناتے تھے یہاں ایک بری رسم چلتی تھی۔ میت قبر میں اتارنے سے پہلے ایک شخص قبر میں اتر کر آذان دیتا تھا۔ پھر میت دفناتے تھے۔ حضرت مولانا صاحب نے دلائل کے ساتھ اس کی تردید کی اسی وقت سے قبر میں اذان دینا بند ہوا مردان کے بعض دیگر علاقوں میں اب بھی بعض لوگ اس رسم میں مبتلا ہیں۔ لیکن یہ علاقہ ان کی محنت سے صاف ہوا اس کے علاوہ شادی بیاہ اور دیگر غلط رسومات کے خلاف بھی انہوں نے صدائے حق بلند کی۔

عوام وخواص میں انکی مقبولیت:

اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاق حسنہ سے نوازا تھا ضد و عناد اور فخر و تکبر سے نا آشنا اور عجز و انکساری سے معمور تھے ہر ایک کے ساتھ انکا رویہ شفقت آمیز ہوتا تھا اس لیے ہر طبقہ کے لوگ ان سے محبت کرتے تھے پورے علاقے میں ان کو عزت، عقیدت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

دنیا سے بے رغبتی اور فیاضی بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی تھی۔اھل وعیال پر بڑی فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔خوراک ولباس میں انکا معیار علاقے کے دولت مندلوگوں سے بھی بڑھ کر تھا تا کہ دنیادار لوگ حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اپنی جیب سے طلباء پر خرچ کیا کرتے تھے اور کھانے کی چیزیں بھیجتے تھے۔استغناء کو زندگی بھر اپنا شیوہ بنایا کبھی بھی کسی دولت مند کے پاس دنیاوی غرض کی بنیاد پر نہیں گئے معنوی کمالات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا۔دراز قد، بارعب نورانی چہرہ، شیرین زبان، نفیس طبیعت اور پروقار چال کے مالک تھے ۔جب کسی راستے سے گزرتے تھے یا کسی مجلس میں جلوہ افروز ہوتے تھے تو خاص وعام کی نظریں غیر اختیاری طور ان پر جمی رہتی تھیں علاقے کے عمر رسیدہ لوگ جب انکا تذکرہ کرتے ہیں تو انکے قد وقامت اور شکل وصورت کی خوبصورتی ضرور بیان کرتے ہیں۔حضرت حکیم صاحبؒ بھی بطور خاص اسکا ذکر فرماتے تھے۔کریمانہ اخلاق کی بنا پر ہر کسی کے ساتھ محبت واحترام کا تعلق رکھتے تھے امیر وغریب ہر کوئی ان کے رویّہ سے خوش تھا، کبھی بھی کسی کو ناراض نہیں کیا لوگوں کے دلوں میں ایسی جگہ پیدا کی کہ آج بھی جب انکے حالات بیان کرتے ہیں تو انکی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ ٹھنڈی آہیں بھر کر انکو محبت اور عقیدت بھرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

والد محترم کا سفر آخرت:

ابھی وارثان علوم نبوت کی تشنگی پوری طرح بجھی بھی نہیں تھی۔سالکان رشد وہدایت کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوئی تھیں، طبعی طور پر ہر ایک کا خیال تھا کہ علوم نبوی کا یہ آفتاب تو ابھی پورے آب وتاب میں ہے ماند پڑنے میں زمانہ لگے۔کیونکہ ۴۲ سال کی عمر تو جوانی کا قریب زمانہ ہوتا ہے اور یہ بھی خیال تھا۔کہ دینی علوم سے بے پناہ محبت رکھنے والے نے تو ابھی اپنے لاڈلے اکلوتے بیٹے کو سینکڑوں میل دور سہارنپور بھیجا ہے۔انکی جوانی اور علمی ثمرات بھی دیکھنے ہیں ان خیالات اور تصورات میں پڑے رہنے والوں کو کیا معلوم تھا کہ مشیت ازلی نے ان کا رخت سفر باندھ لیا ہے۔چنانچہ معمول کے مطابق تدریس سے فارغ ہو کر عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف

لائے۔آرام کی غرض سے بستر پر لیٹ گئے۔اور دل کی حالت خراب ہونا شروع ہوئی گھر والوں نے لوگوں کو اطلاع دی سب دوڑتے ہوئے گھر پہنچے۔انتظامات کر لیئے لیکن کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی آخر کار عارضہ قلب کے باعث راتوں رات ۴۷ سال کی عمر میں ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ کو آفتاب علوم نبوی غروب ہوا۔

قرص خورشید در سیاہی شد　　　یونس اندر دہان ماہی شد

گاؤں والوں پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی، تینوں اقوام کے بڑوں نے انتظامات سنبھال لیے اور اپنے والد محترم کے جوار میں موضع جلوزئی میں سپرد خاک کیا۔

۲۳ سال بعد جسد ظاہر ہونے کا عجیب واقعہ:

وفات کے وقت انکی والدہ محترمہ بقید حیات تھی۔انکی وفات کے تقریباً ۲۳ سال بعد وفات پا گئیں حضرت مولانا صاحب کی قبر کے ساتھ قبلہ کی جانب والدہ محترمہ کی قبر کھودی گئی جب لوگ قبر تیار کر رہے تھے۔تو غلطی سے حضرت حکیم صاحب کے والد محترم کی لحد لگ کر کھل گئی۔اس واقعہ کے عینی شاہدین اب بھی موجود ہیں انکے بیان کے مطابق حضرت مولانا صاحب کا جسم صحیح سالم تھا۔بالکل تازہ تھا ھلکا سا پسینہ جسم پر آیا تھا۔کفن کا کپڑا تھوڑا سا بوسیدہ ہو چکا تھا۔ہم نے ان کے چہرے پر ہاتھ پھر دیا کچھ دیر کے لیے کھلا رکھا۔قرب وجوار میں موجود لوگوں کو بلایا سب نے دیدار کیا دوبارہ اس خوف سے جلدی بند کیا کہ کہیں حضرت حکیم صاحب آکر غصہ نہ ہو جائیں۔جب وہ تشریف لائے ہم نے پورا قصہ بیان کیا۔انہوں نے فرمایا کاش میں ہوتا تو دیکھ لیتا کیونکہ وفات کے وقت میں سہارنپور میں تھا ہم نے عرض کیا۔"اگر آپ چاہیں تو دوبارہ کھول لیتے ہیں"انہوں نے منع کیا کہ پہلے غیر اختیاری طور پر لحد کھل گئی تھی اب قصداً کھولنا جائز نہیں۔

جامعہ کے سر پرست اعلیٰ کی سوانح عمری

جامعہ کے سر پرست اعلیٰ مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب طالب علمی کے زمانے اور خاص کر اکابرین دیوبند اور اساتذہ کرام کے واقعات تو بڑے مزے سے سناتے تھے ہر ایک کا حلیہ مبارک، رفتار، گفتار، نشست و برخاست بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے تھے یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم ان کو دیکھ رہے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت حکیم صاحب کی اپنے اساتذہ کرام اور اکابرین دیوبند سے والہانہ محبت تھی کیونکہ برسوں کی مدت گزرنے کے باوجود ہر ایک کی پوری زندگی ان کو یاد تھی۔ چونکہ انہوں نے محبت و عقیدت کے ساتھ سہارنپور اور دیوبند کے اساتذہ کرام اور اکابرین کو بہت قریب سے دیکھا تھا اس لیے انکی زندگی اکابرین کی عبرت آمیز قیمتی حالات اور واقعات پر مشتمل تھی۔ چنانچہ جب ان کی بیماری بڑھ گئی تو ان قیمتی حالات کو محفوظ رکھنے کی خاطر ہم نے ان سے تمام احوال کیسٹوں میں ریکارڈ کیے اس لیے ان کی زندگی کی کہانی ان کی زبانی پیش کریں گے۔ علاوہ ازیں دوسری مجالس میں جو واقعات ان سے سنے گئے یا ان کے ساتھ علمی سفر میں شریک رفقاء نے بتائے ہیں ان کو بھی ساتھ شامل کیا جائے گا۔

پیدائش:

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بروز پیر بوقت سحر نمودار ہوئے جلوزئی میں ان کی پیدائش ہوئی چند سال وہاں گزار کر بچپن میں والدین کے ساتھ تمبولک مردان تشریف لائے۔ فرماتے تھے مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ رات کو ہم یہاں پہنچے تھے گھر کے کمرہ کو تالا لگا تھا چابی کا انتظار کر رہے تھے پڑوسیوں نے فوراً چارپائی لائی ہم گھر کے برآمدے میں اس پر بیٹھ گئے۔

ابتدائی اسباق اور تربیت:

ابتدائی اسباق والد محترم نے پڑھانے شروع کئے۔ تحفہ نصائح، گلستان، بوستان انہوں نے پڑھائے لیکن ان کو اپنی تدریس سے فراغت نہیں ملتی تھی۔ سارا دن مصروف رہتے تھے ان کی

خواہش تھی کہ میں کچھ سکول کی تعلیم بھی حاصل کروں انہوں نے مجھے داخل کرایا انگریزوں کا دور حکومت تھا سکول والوں نے مطالبہ کیا کہ نیکر پہن کر آیا کرو والد صاحب کو جب پتہ چلا تو انہوں نے سکول سے نکال دیا اور خط وکتابت سیکھنے کے لیے اپنے ماموں جناب محمد شریف صاحب کے پاس بھیجا جو ہوتی مردان کے ایک سکول میں استاد تھے۔تو دو جماعت ان سے پڑھ لیے پھر واپس گاؤں آیا فرصت نہ ملنے کی بنا پر والد محترم نے اپنے ماموں مولانا جمیل احمد صاحب کے پاس بھیج دیا وہ ایک جید متقی پرہیز گار عالم دین تھے۔اور آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔اس وقت یہ بڑی تعلیم سمجھی جاتی تھی۔اس سے پہاڑے سیکھے گلستان، بوستان پڑھی۔وہ فارسی زبان میں بڑے ماہر تھے وہاں دو تین سال گزار کر واپس آیا لیکن گاؤں میں پڑھنا مشکل تھا چونکہ میں والدین کا اکلوتا بیٹا تھا تو والد صاحب کی شفقت بھی بہت زیادہ تھی اور مار پیٹ، ڈانٹ ڈپٹ تو ویسے ان کی طبیعت میں نہیں تھی اور انکی بڑی خواہش تھی کہ میرا بیٹا جید عالم بنے۔اس لیے بہت پریشان رہتے تھے کہ میں اس کو کہاں بھیج دوں۔

سہارنپور روانگی:

والد محترم اسی فکر میں تھے حضرت سید عبدالرحیم عرف گل بادشاہ صاحب جو بعد میں جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد کے صدر بنے تشریف لائے۔والد محترم کے قریبی دوست تھے۔ان کے سامنے اپنی تشویش ظاہر کی انہوں نے فرمایا کہ یہ بچہ ضائع ہو جائے گا۔اس لیے اس کو ہندوستان بھیج دو۔پھر اپنے ایک دوست کے نام خط لکھا جو زیارت استاد سے مشہور تھے سہارنپور کے فاضل اور وہاں ایک مسجد میں خطیب تھے۔میری عمر اس وقت تیرہ یا چودہ سال تھی۔تنہا سفر اور گھر سے دور رہنا مشکل تھا اس لیے والد محترم نے میری دلجمعی کی خاطر میرے چچا کے بیٹے حاجی عبدالودود صاحب کو ساتھ ملایا جو میرا بے تکلف دوست تھا۔اور ابھی تک بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ دونوں سگے بھائی ہیں۔ہماری نگرانی کے لیے ہمارے قریبی رشتہ دار مولانا دوست محمد صاحب کو مقرر کیا۔حضرت مولانا دوست محمد صاحب تقریباً ڈیڑھ سال کے تھے کہ والدین کے

سایہ شفقت سے محروم ہوئے میرے والد محترم نے انکی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ میری نانی جو مولانا دوست محمد صاحب کی خالہ تھی ان کے حوالہ کیا اس اعتبار سے یہ حضرت حکیم صاحب کے رضاعی ماموں شمار ہوتے تھے حضرت مولانا دوست محمد صاحب انتہائی تقوی دار ، بیدار مغز اور حساس انسان تھے اس وقت انکی عمر تقریباً بیس سال تھی وہ طورو مردان میں پڑھ رہے تھے بعض کتابیں میرے والد محترم صاحب سے پڑی تھیں ہماری نگرانی اور مزید علم حاصل کرنے کے لیے والد محترم نے ان کو ہمارے ساتھ بھیج دیا دوران تعلیم انہوں نے ہم دونوں کی مثالی تربیت کی ہم طالب علمی کے پورے زمانے میں ان کی اجازت کے پابند تھے نہ کہیں جاسکتے تھے۔اور نہ کسی سے مل سکتے تھے ہمہ وقت ہمہ تن انہوں نے ہمیں اسباق میں مشغول رکھا اکابرین کی مجالس میں لے جاتے تھے۔اکابرین کی مجالس سے فائدہ اٹھانے کا جو موقع ملا ہے یہ ان کی مرہون منت ہے۔حضرت مولانا گل بادشاہ صاحب کا خط لیکر ہم تینوں سہارنپور پہنچ گئے اور مولانا زیارت استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے صدر صاحب کا خط پیش کیا وہ بے حد خوش ہوئے انہوں نے ہمیں مسجد میں الگ کمرہ میں اپنے پاس رکھا اور فرمایا" جب تک دارالاقامہ میں جگہ نہ ملے آپ میرے ساتھ رہیں گے۔" پھر ہمارے ساتھ گئے اور ہمیں مظاہر العلوم میں داخل کرایا۔ میں نے اور حاجی عبدالودود صاحب نے ادنیٰ درجہ میں اور مولانا دوست محمد صاحب نے متوسط درجہ میں داخلہ لیا۔ وہاں اسباق کا نظام تین درجوں میں تقسیم تھا ادنیٰ ،متوسط اور اعلیٰ درجہ۔ادنیٰ اور متوسط درجات اکثر شاخوں میں پڑھائے جاتے تھے پھر اعلیٰ درجہ کی کتب پڑھنے کے لیے مظاہر العلوم کے مرکزی مدرسہ میں پڑھائی ہوتی تھی۔

میں نے نحو میر سے اسباق پڑھنا شروع کیئے۔ابتداء میں مجھے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ مجھے اردو نہیں آتی تھی۔استاد محترم روزانہ نحو میر کا گذشتہ سبق سنتے تھے۔ایک دفعہ میں نے سبق صحیح طور پر اردو میں نہیں سنایا۔ان کے پاس بانس کی ایک لمبی چھڑی تھی۔انہوں نے مجھے ہاتھ پر ایک چھڑی ماری جو میری چھنگلی انگلی پر لگ گئی۔یہ میری طالبعلمی زمانے کی اول وآخر مار تھی۔الحمد للہ پھر

کبھی مار نہیں کھائی میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اردو نہیں آتی میں فارسی میں سناؤں گا۔انہوں فرمایا ٹھیک ہے۔پھر میں نے اساتذہ کرام سے بولنا بھی فارسی زبان میں شروع کیا۔گلستان وبوستان کے پڑھنے نے مجھے وہاں بہت فائدہ دیا۔

تعلیمی حالت:

فرماتے تھے الحمدللہ پورے طالبعلمی کے زمانے میں کبھی بھی وقت ضائع نہیں کیا۔بڑی توجہ اور شوق کے ساتھ ہر سبق میں حاضری دیتا تھا اور یاد کرنے کا خوب اہتمام کرتا تھا۔کیونکہ مجھے اپنے والد محترم کی یہ وصیت ہمیشہ یاد رہتی تھی کہ کتابیں اس انداز سے پڑھا کرو کہ تیرے انداز دوسروں کو پڑھانے کی استعداد پیدا ہو سکے۔اس لیے میں ہر کتاب کا ہر سبق اس وقت تک یاد کرتا رہا جب تک مجھے پورا یقین نہ ہوتا کہ اب میرے اندر پڑھانے کا ملکہ پیدا ہوا۔والد محترم کی دعاؤں اور اساتذہ کرام کی شفقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے درجہ کے اولین طلباء کی صف میں شامل کیا۔الحمدللہ طالب علمی کے پورے زمانے میں ہر ایک امتحان میں اعلیٰ نمبرات حاصل کیے مظاہر العلوم میں اعلیٰ نمبرات حاصل کرنے والے طلباء کے لیے بطور انعام وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا دوسرے امتحان تک وظیفہ جاری رہتا تھا۔اگر دوبارہ اعلیٰ نمبرات آجاتے تو وظیفہ برقرار رہتا تھا ورنہ جس طالب علم کا حق بنتا تھا اسی کے لیے جاری کیا جاتا تھا۔جتنے سال میں نے سہارنپور میں گزارے تھے ہر سال میرا وظیفہ مقرر ہوتا تھا اور مسلسل چلتا تھا اپنے درجے میں میرے بعد دوسرے نمبر پر ہمیشہ مولانا عبدالوہاب صاحب آف میاں خان کاٹلنگ ضلع مردان آتے تھے جو کہ ایک جید عالم دین اور عربی زبان کے بہترین ادیب تھے اساتذہ کرام مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے مجھے اکثر لطفی نام سے پکارتے تھے۔

قابل ذکر ہم سفر ساتھیوں کا تذکرہ:

علمی سفر میں جن لوگوں سے ان کا واسطہ پڑا ہے وہ بھی قابل رشک ہیں بڑی محبت سے حضرت حکیم صاحبؒ ان کے واقعات بیان فرماتے تھے۔فرمایا۔کہ ہم مردان اسٹیشن سے جب بھی

ہندوستان روانہ ہوتے تھے۔تو ہم تینوں کے علاوہ ہمارے ساتھ حضرت مولانا عبدالواجد صاحب بھی ہوتے تھے۔ جو گجرات مردان کے مدرسہ کے مہتمم تھے نہایت خلیق تھے ہم سے بہت محبت کرتے تھے ہمارا یہ سفر ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا تھا وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے مولانا دوست محمد صاحب کے ہم عمر تھے۔ وہ اس وقت دیوبند میں سبق پڑھتے تھے لیکن سہارنپور تک ہم اکٹھے جاتے تھے اس وقت ریل گاڑی کا سفر بہت عمدہ تھا ہم مردان سے سوار ہوکر سہارنپور اسٹیشن پر اترتے تھے راستے میں گاڑیاں تبدیل نہیں ہوتی تھیں۔اس لحاظ سے حضرت مولانا عبدالواجد صاحب کے ساتھ ہمارا تعلق آخر وقت تک بڑا مثالی رہا۔ان کو رخصت کرنے کے لیے حاجی عبداللہ صاحب بھی اسٹیشن آتے تھے جو مردان کے مرکزی تبلیغی بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔پھر ہمارے ساتھ بھی ان کا گہرا تعلق رہا حضرت مولانا عبدالواجد صاحب کے علاوہ مولانا پیر مبارک شاہ صاحب بھی ساتھ ہوتے تھے۔ جن کی زیادہ تر دلچسپی سیاست کے ساتھ رہی مدرسہ کے اندر ہمارا تعلق ایسے طلباء کے ساتھ رہتا تھا جو سبق کے شوقین ہوتے تھے۔ان میں زیادہ تر کا تعلق مردان سے تھا۔چنانچہ علمی سفر میں جن حضرات کے ساتھ تعلق رہا ان میں سے حضرت مولانا عبدالوہاب باچا صاحب کا ذکر پہلے آیا کاٹلنگ مردان کے قصبہ میاں خان اور اندرگئی کے بہت سے طلباء ہمارے ساتھ سبق میں شامل تھے اور یہ سب حضرات بہت محنتی اور تقویٰ دار تھے۔

موضع پیر آباد کے مولانا سید شوکت صاحب بہت قریبی تعلق والے تھے حقانیہ میں بھی ہم سبق تھے۔زندگی نے ان سے وفا نہیں کی فراغت کے تھوڑا عرصہ بعد انتقال کر گئے انکی موت سے مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ان کے علاوہ مولانا حکیم سیف الرحمٰن صاحب جو انزرگی حکیم صاحب کے فرزند ارجمند تھے یہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔مولانا شیر حمید صاحب بھی قریبی تعلق والے تھے جو اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔اس علاقے کے بہت سے طلباء تھے جو ایک گروپ کی شکل میں رہتے تھے۔حضرت مولانا فضل غنی صاحب جو مولانا حافظ اختر علی صاحب صوبائی وزیر کے والد محترم تھے ان کے ساتھ ہمارا گہرا تعلق تھا۔یہ مولانا دوست محمد صاحب کے ہم سبق تھے بہت نیک تھے اللہ

تعالیٰ نے ان کو مضبوط صحت دی تھی اس لیے دیو بند میں ہمارے گروپ کے سربراہ تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب ڈاگئی بھی اس وقت سہارنپور میں پڑھتے تھے یہ بہت ذہین تھے طلباء میں ان کی ذہانت کا چرچا تھا نہایت فصیح تھے اس لیے ان کے حلقہ تکرار میں بڑی تعداد میں طلباء شریک ہوتے تھے مولانا دوست محمد صاحب کے ہم سبق تھے جب دورہ حدیث کے اسباق پڑھ لیئے۔ غالباً امتحان کی تیاری کے دن تھے اپنے استاد محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری کے بچوں کے لیے جامن توڑنے کی غرض سے درخت پر چڑھے یہ صحت مند تھے اور جامن درخت کی ٹہنیاں بھی کمزور ہوتی ہیں۔اس لیے ٹہنی ٹوٹنے سے زمین پر گر کر پڑے انکی ٹانگ ٹوٹ گئی پھر گھر منتقل کئے گئے اور مدرسہ والوں نے اعزازی سند جاری کی۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے استاد الحدیث جید عالم دین حضرت مولانا محمد علی صاحب سواتی بھی سہارنپور کے فضلاء میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ مولانا حمد اللہ جان صاحب کے ہم درس تھے ہمارے ساتھ ان کا اچھا تعلق تھا۔ مولانا دوست محمد صاحب کے ہم عمر تھے اس لیے ان کے ساتھ بے تکلفی اختیار کرتے تھے طبیعت میں ظرافت بہت تھی۔ لیکن ہم پر ان کے تقویٰ کا بڑا اثر تھا۔

دارالعلوم حقانیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سلطان محمود صاحب آف مغلکی (اکوڑہ خٹک) میرے ہم درس ساتھیوں میں شامل تھے۔ سہارنپور میں ہر مجلس میں ہم شریک رہتے تھے۔ دارالعلوم حقانیہ کے ناظم مولانا گل رحمٰن صاحب پیر سباق بھی ہمارے ہم درس دوست تھے انکے ساتھ بھی قریبی تعلق رہا تھا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دیروی جو دارالعلوم حقانیہ میں استاد الحدیث والتفسیر ہیں۔ انہوں نے بھی سہارنپور میں سبق پڑھا ہے لیکن اس وقت انکی عمر کافی کم تھی انکے چچازاد بھائی مولانا عبدالحمید صاحب ہمارے قریبی تعلق والے تھے مولانا عبدالحلیم صاحب انکے زیر تربیت رہتے تھے وہ بہت صالح انسان تھے۔ انکی بہت اچھی تربیت کر رہے تھے۔ ضلع اٹک کے مولانا غلام یزدانی صاحب مرحوم (قاری وصیف الرحمٰن صاحب کے والد محترم) عمر میں مجھ سے بڑے تھے

مولانا دوست محمد صاحب کے ہم سبق تھے اور ہمارے ساتھ قریب ان کا کمرہ تھا چونکہ ہمارے آباء واجداد کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کے ساتھ بھی بہت تعلق تھا۔ یہ بہت نیک اور پابند انسان تھے ان کے ساتھ ان کا چھوٹا بھائی حافظ محمد طاہر صاحب بھی انکے زیر تربیت تھے بعد میں ہمارے گاؤں بھی تشریف لائے تھے۔

دوران تعلیم خرچہ کی کیفیت:

والد محترم بڑے فیاض انسان تھے انہوں نے اخراجات میں کبھی تنگ دستی سے کام نہیں لیا۔ ان کو اعتماد بھی تھا کہ ہم فضول اخراجات سے اجتناب کرتے ہیں اس لیے وہ تاکیداً فرماتے تھے خوب خرچ کیا کرو۔ اپنے آپ کو مشکل میں مت ڈالو بس مقصد کے حصول میں لگے رہو اس لیے وہ کافی پیسے بھیجتے تھے۔ مولانا دوست محمد صاحب چونکہ ہمارے مربی تھی اس لیے ان کے ہاتھ خرچ ہوتے تھے وہ بھی بہت فراخ دل انسان تھے اچھے معیار میں ضروریات زندگی فراہم کرتے تھے اور ساتھ ساتھ مالی لحاظ سے کمزور طلباء کا تعاون بھی ہوتا تھا۔ فروٹ منڈی ہمارے ساتھ قریب تھی آم سستے تھے ہم پوری ٹوکری لاکر ساتھیوں کو بھی کھلاتے تھے۔ پوری زندگی میں سب زیادہ سے آم میں نے وہاں کھائے ہیں خورد نوش کی دیگر اشیاء بھی وافر مقدار میں میسر ہوتی تھیں

ایک دلچسپ واقعہ:

ایک دفعہ گنا خریدنے کے لیے ایک کھیت میں چلے گئے کھیت میں لوگ گنے صاف کررہے تھے ہم نے ان کو پیسے دیکر گنے خرید لیئے جب ہم گنے اُٹھانے لگے تو ان کا ایک وڈیرا بڑی مونچھوں والا لحیم شحیم بیلچہ اٹھا کر ہماری طرف بڑھ کر چیخنے لگا کہ مت اٹھاؤ ہم نے کہا ہم نے پیسے دیئے ہیں لیکن وہ غنڈہ گردی کررہا تھا قریب تھا کہ مولانا دوست محمد صاحب کو مار دیتا مولانا دوست محمد صاحب نے فوراً بڑا چاقو نکالا ۔ جب اس نے چاقو دیکھا تو فوراً رک گیا مولانا دوست محمد صاحب نے ہم سے فرمایا کہ آپ لوگ مجھے پکڑیں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرونگا آپ مجھے مت چھوڑیں اب ان سب کو بھگانا ہے۔ ہم انہیں پکڑ کر کھینچ رہے تھے وہ آگے

بڑھنے کے لیے زور لگا رہے تھے۔انہوں نے چاقو کھولا تھا اور ہم سے پشتو میں زوردار آواز سے کہنے لگے مجھے پکڑو لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے چھوڑو۔جب کھیت میں موجود لوگوں نے انکو دیکھا سب بھاگنے لگے غنڈہ پہلوان آگے تھا باقی پیچھے دوڑ رہے تھے۔اور چیخ رہے تھے کہ مولوی صاحب سارا گنا لے لو ہمیں چھوڑو۔ہمیں بھی مزہ آیا ہم نے اور بھی زور لگائی۔ان لوگوں میں عورتیں بھی شامل تھیں سامنے ایک بڑی نہر تھی سب نے چھلانگ لگا کر نہر پار کی اور چیخ رہے تھے پٹھان ہیں پٹھان ہیں پھر ہم واپس آئے اور اپنا گنا بھی چھوڑ دیا۔کہ چلوان کو تکلیف پہنچی ہے مدرسہ آکر اساتذہ کرام کو قصہ سنایا خوب ہنسے پھر ہم پر پابندی لگائی کہ اس طرف نہ جائیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فساد پھیل جائے۔

والد محترم اکثر کسی کے ذریعہ خرچہ بھیجتے تھے کبھی کبھار ہماری خبر گیری کے لیے میرے ماموں اور استاد محترم مولانا جمیل احمد صاحب تشریف لاتے تھے ان کے واسطے سے بھی ہمیں خرچہ مل جاتا تھا ۔انہوں نے اپنا فرزند مولانا حکیم محمد عمر صاحب کو بھی ہمارے ساتھ داخل کرایا۔اس وقت ان کی عمر کم تھی ہمارے ساتھ رہتے تھے اکابرین کے حالات وواقعات محفوظ رکھنے میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے اس لیے انکو اس دور کی بہت سے واقعات یاد ہیں۔تقسیم ہند کے بعد انہوں نے بقیہ اسباق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مکمل کیئے۔

اساتذہ کرام:

حضرت حکیم صاحب چھ سال سہارنپور میں رہیں پھر تکمیل فنون کے لیے دیوبند چلے گئے۔وہاں ایک سال مزید فنون پڑھے پھر احادیث کے سال ہندوستان تقسیم ہوگیا۔اس لیے انہوں نے موقوف علیہ اور دورہ حدیث کے درجات دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مکمل کر لیے۔ حضرت حکیم صاحب کو اپنے اساتذہ سے بڑی محبت وعقیدت تھی بہت ادب واحترام کیساتھ انکا تذکرہ فرماتے تھے۔تمام اساتذہ کے اسماء واحوال کا احاطہ مشکل ہے اس لیے صرف ان حضرات کا تذکرہ کیا جائے گا جن کے بارے میں کوئی خاص واقعہ پیش آتا تھا تو ساتھ ساتھ انکے کچھ احوال بھی

بیان کرتے تھے۔

استادمحترم حضرت مولانا امیر احمد صاحبؒ:

حضرت مولانا امیر احمد صاحب سے ہم نے نحو کی اکثر کتابیں پڑھی تھیں۔نہایت فصیح و بلیغ اوراپنے فن میں ماہر استاد تھے خاص کرنحو کی مشہور کتاب شرح جامی میں انکی مہارت مسلم تھی ہم نے شرح جامی ان سے پڑھی تھی ملا جامی کی اغراض اور باریکیاں نہایت سہل اور تحقیقی انداز میں سمجھاتے تھے بڑے بے تکلف انسان تھے۔طلبہ کی ذکاوت جانچنے کے لیے انہوں نے سالانہ امتحان کے سوالیہ پرچہ میں استثناء کی بحث سے متعلق ایک مختصراور باریک سوال پوچھا تھا۔کہ ''والا'' کا مستثنیٰ منہ بیان کریں۔

نگرانی کرنے والے اساتذہ میں سے غالباً مولانا عبدالمجید صاحب نے زور سے فرمایا''والا'' کا مستثنیٰ منہ بیان کرو۔غور کرو''واؤ'' بھی ساتھ ہے مولانا امیر صاحب نے فرمایا اُف آپ نے سارا راز فاش کیا جو سمجھدار طلبہ تھے وہ فوراً سمجھ گئے کیونکہ الاحرف استثناء کے ساتھ جب واؤ آجائے تو وہ ان لم یکن کے معنی میں شمار ہوتا ہے۔پھراس کی حیثیت بدل جاتی ہے۔اس لیے مستثنیٰ منہ کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شرح جامی میں میری حالت بہت عمدہ تھی کیونکہ مجھے اس سے بڑی دلچسپی تھی ۔اس لیے شرح جامی میں میرے نمبرات بھی بہت اچھے آتے تھے ۔مولانا امیر محمد صاحب نے جب پرچہ دیکھ لیا تو دوسرے دن سبق میں سب طلبہ کے سامنے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اس نے شرح جامی کا پرچہ ایسے انداز میں حل کیا ہے گویا شرح جامی کتاب اس کے سامنے پڑی تھی

حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ:

حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے فنون میں بڑی مہارت عطا فرمائی تھی ۔اس لیے فنون پڑھنے کے لیے طلبہ بطور خاص ان کے ہاں تشریف لاتے تھے ۔اس وقت دیوبند اور مظاہر العلوم دونوں مدرسوں میں نحو فن کے حوالے سے بڑی شہرت رکھتے تھے ۔ہم نے

ان سے کافیہ، سلم العلوم اور تلخیص پڑھی تھی۔ کافیہ ہم نے ان سے خارجی پڑھی تھی۔ ہم چند ساتھیوں نے مل کر ان سے درخواست کی۔ انہوں نے اسباق کے بعد وقت نکال کر ہماری تمنا پوری فرمائی۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ تھے بہت سہل انداز میں ہر سبق پڑھاتے تھے۔ کتاب کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔ از اول تا آخر ان کی کافیہ کی پوری تقریر حرف بحرف میں نے لکھی ہے۔ ہمارے گروپ میں مولانا حافظ غیور احمد صاحب بھی شامل تھے۔ وہ بہت تیز لکھتے تھے۔ ہماری لکھائی کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی۔ اس لیے ہم بعد میں ان کی کاپی سے نقل کرتے تھے۔ وہ پورے سبق کا ایسا احاطہ کرتے تھے۔ کہ مزاحیہ جملوں تک کو بھی محفوظ کرتے تھے۔ وہ لمبی تقریر نہیں کرتے تھے ہندوستانی علماء کا مزاج بھی یہی تھا ان کے انداز تدریس میں یہ خوبی نمایاں پائی جاتی تھی کہ مبادیات میں سے ہر کتاب **ایسی** طرز سے پڑھاتے تھے کہ اس فن کی اگلی کتاب کے اقتباسات اس میں پائی جاتی تھیں مثلاً کافیہ کے مباحث میں شرح جامی کی تحقیقات شامل فرماتے تھے۔ جس سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا تھا کہ آئندہ سال پڑھنے والی کتاب زیادہ مشکل نہیں رہتی تھی۔ تدریس میں انکی زیادہ تر توجہ نفس متن اور مذکورہ مسئلہ پر رہتی تھی۔ اس کے متعلق بڑے اعتماد کے ساتھ خوب تحقیق کرتے تھے لیکن اس کے سخت خلاف تھے کہ متن کا مسئلہ پیچیدہ بنا کر اپنی علمیت دکھانے کے لیے بے جا سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اور طلبہ لمبی تقاریر یاد کرنے میں پڑے رہیں بلکہ بعض دفعہ انکو نفس مسئلہ بھی سمجھ نہیں آتا اور قیل اور قال پر اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں۔ اس لیے وہ حضرات ہمارے ہاتھ میں شروحات نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ اول سے لیکر آخر تک اطمینان کے ساتھ پڑھاتے تھے ہم نے ان سے سلم العلوم بھی پڑھی تھی اسکی پوری تقریر بھی لکھی ہے۔ تلخیص کا کچھ حصہ پڑھا تھا وہ بھی ہم نے لکھا ہے میں ذاتی طور پر حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کی علمیت اخلاق اور سادہ مزاجی سے بہت متاثر ہوا۔ وہ علم کے سمندر تھے جب منصب تدریس پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ تو سینے میں سمایا ہوا علوم وفنون کا سمندر موج زن ہوتا تھا۔ اور بیش بہا موتی اور جواہرات بکھیر دیتے تھے۔ نہایت خلیق انسان تھے مزاحیہ انداز میں

سبق سمجھاتے تھے تا کہ طلباء پر بوجھ نہ بنے۔ پورے سبق میں مسکراہٹ ان کے چہرے پر چھائی رہتی تھی۔ کبھی تند و تیز جملہ استعمال نہیں کیا۔

سلام میں پہل کرنا:

ہمیشہ ان کی یہ عادت رہتی تھی کہ کوئی بھی سامنے آتا تو سلام میں پہل کرتے ہماری کوشش ہوتی کہ ہم استاذ محترم کو پہلے سلام کریں۔ لیکن طالب علمی کے پورے زمانہ میں ہم اس میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ بعض دفعہ ہم چھپ جاتے تھے جب یہ سامنے آئیں گے تو ہم اچانک ظاہر ہوں گے اور فوراً سلام کریں گے۔ ہم نے کئی دفعہ ایسا کیا لیکن کامیاب نہیں ہوسکے وہ بازی لے جاتے تھے۔ اور ہنس پڑتے تھے یہ تجربہ صرف میں نے نہیں کیا بلکہ بہت سے طلبہ نے کوشش کی کوئی بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ نہایت سادہ مزاج انسان تھے لباس بھی ہمیشہ سادہ متوسط درجہ کا استعمال کرتے تھے۔ باہر سے کوئی آتا تھا تو اس کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ استاد ہیں یا مدرسہ کا خادم ان کا مزاج اس طرح تھا کہ گمنامی پسند فرماتے تھے۔ انکے علاوہ مولانا منظور احمد صاحب اور مولانا ظہور الحق صاحب سے بھی ہم نے فنون کی مختلف کتابیں پڑھی تھیں۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ:

حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ مظاہر العلوم میں بڑی کتب پڑھاتے تھے۔ مشکوۃ شریف جلالین اور دیگر احادیث کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے لیکن تفسیر کے حوالے سے وہاں ان کی بڑی شہرت تھی۔ یہ میرے والد محترم کے ہم سبق تھے۔ اس لیے جب ہم سہارنپور جارہے تھے تو والد محترم نے انکے نام ایک خط بھی لکھا جب ہم نے وہ خط پیش کیا تو بہت خوش ہوئے۔ طالب علمی کے پورے دور میں انہوں نے ہمیں بڑی شفقت سے نوازا۔ ہم ان کے پاس بہت جاتے تھے۔ وہ اکثر و بیشتر ہمارے اجداد کے واقعات سناتے اور فرماتے کہ آپ کے اجداد ہمارے استاد تھے خاصکر فقہی بابا سے ہم نے فقہ پڑھی تھی۔ اس لیے جب پہلی دفعہ ہم نے انکو خط پیش کیا۔ تو انہوں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری کی خدمت میں ہمیں پیش کیا۔ اور

فرمایا کہ یہ ہمارے استادوں کی اولاد ہیں آج انکا قرضہ چکانا ہے۔مولانا عبدالرحمٰن صاحب بہت خوش ہوئے بہت محبت کا اظہار فرمایا۔مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے تھے ہم دونوں آپ کے اجداد کے شاگرد ہیں۔ہم نے خارجی اوقات میں مولانا عبدالشکور صاحب سے سراجی پڑھی تھی یہ انکا خصوصی کرم تھا کہ ہمیں وقت دیا ورنہ بڑی کتابوں کے استاد تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری:

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ ہمارے بالواسطہ استاد تھے ہم انکی مجلس میں بہت حاضر ہوتے کیونکہ انکے ساتھ ہمارا قریبی تعلق تھا اور میرے والد محترم کے استاد بھی تھے۔مولانا دوست محمد صاحب انکے مرید تھے اور خدمت بھی کرتے تھے۔وہ انکے لیے تسبیح بناتے تھے۔حضرت شیخ صاحبؒ بہت کثرت سے ذکر کرتے۔ہفتہ میں انکا ایک جوڑا تسبیح ٹوٹ جاتا تھا پھر مولانا دوست محمد صاحبؒ ہر ہفتہ نیا جوڑا بنا کر دیتے تھے۔

حضرت شیخ صاحبؒ اپنے دور کے بلند پایہ محدث تھے۔سہارنپور میں ترمذی جلد نمبر ا مستقل پڑھاتے تھے۔اختلافی مسائل میں مذاہب کی تحقیق اور اختلاف کی ترجیحات بڑے مدلل انداز میں بیان فرماتے تھے بایں وجہ انکے درس ترمذی میں طلباء بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

جب حضرت مدنیؒ جیل گئے تو انکی جگہ احادیث پڑھانے کے لیے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کا انتخاب کیا گیا۔لیکن انہوں نے معذرت پیش کی۔اس لیے پھر مولانا فخرالدین صاحب احادیث پڑھانے کے لیے مقرر ہوئے۔حضرت شیخ صاحبؒ بچوں کی تربیت کی طرف توجہ بہت دیتے تھے انکے تینوں صاحبزادے مولانا عبیدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی احمدالرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا قاری سعیدالرحمٰن صاحب اس وقت کم عمر تھے۔حضرت شیخ صاحبؒ نے انکو بہت پابند رکھا تھا۔میں نے آج تک ایسی مثالی تربیت کسی کی نہیں دیکھی اور اسی تربیت کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوب چمکایا۔

ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ:

مظاہر العلوم کا ناظم اعلیٰ مدرسہ کے جملہ امور کا اختیار مند ہوتا تھا۔ وہاں مہتمم کا تصور نہیں تھا۔ اس حوالے سے آپ کا یہ نظام بھی دیگر مدارس سے مختلف تھا۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ مدرسہ کے ناظم اعلیٰ اور احادیث کے ایک قابل استاد تھے۔ بخاری ج ۲ اور دیگر احادیث کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔ بڑے رعب و دبدبہ والے اور اصول پسند انسان تھے۔ طلبہ ان سے بہت مرعوب رہتے تھے۔ میرے والد محترم کے استاد تھے۔ ہم ان کی خدمت میں بہت حاضر ہوتے تھے۔ اس لیے مجھے نام سے پکارتے تھے۔ یہ ان کی بڑی شفقت تھی۔ وہ بہت کم کسی کو نام سے پکارتے تھے۔

مدرسہ سے اپنے بیٹے کا اخراج:

مظاہر العلوم میں طلبہ کی زیادہ تر توجہ اسباق کی طرف رہتی تھی۔ سیاست میں حصہ لینے پر سخت پابندی تھی۔ سد ذرائع کے طور پر یہ بھی پابندی لگائی تھی۔ کہ مدرسے کا کوئی طالب علم کسی بھی جگہ تقریر نہیں کرے گا۔ اگر کسی نے تقریر کی تو اس کو خارج کیا جائے گا۔ رمضان کی چھٹیوں میں ان کے بیٹے مولانا عبدالرؤف صاحب نے ایک مسجد میں تقریر کی جب ان کو اطلاع ملی تو انہوں نے اس کو مدرسہ سے خارج کیا۔ اکابرین نے سفارش کی کہ چھٹیوں میں اس نے تقریر کی ہے اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن انہوں نے فرمایا میرے بیٹے نے مدرسہ کے اصول کی خلاف ورزی کی ہے اس لیے اس کے حق میں کسی کی سفارش قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ ایک سال مدرسہ سے خارج رہا۔ پھر دوسرے سال اس کو داخلہ مل گیا۔

اصلاح کی عملی مشق:

مظاہر العلوم کے قدیم احاطہ میں مولانا عبداللطیف صاحب کے دفتر کے قریب پانی کا ایک بڑا مٹکہ پڑا ہوتا تھا۔ طلبہ اس سے پانی پیا کرتے تھے۔ میں ایک دفعہ اس سے پانی پی رہا تھا وہ سامنے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ جب میں پانی پینے سے فارغ ہوا تو بلایا اور پوچھا تم نے بیٹھ

کر پانی پی لیا یا کھڑے ہو کر میں نے عرض کیا کھڑے ہو کر پیا فرمایا پھر جاؤ اور بیٹھ کر پی لو میں نے دوبارہ لوٹا بھر کر پی لیا پھر بلایا اور پوچھا کہ ایک سانس سے پی لیا میں نے عرض کیا جی ہاں۔فرمایا پھر جاؤ اور تین سانسوں سے پی لو۔میں پھر چلا گیا اور سوچ رہا تھا کہ مزید گنجائش بھی نہیں اللہ خیر کرے۔اگر اس دفعہ بھی کوئی کمی رہ گئی تو پھر اور پانی بھی پینا پڑے گا۔جب فارغ ہوا تو پھر بلایا اور پوچھا بسم اللہ اور الحمدللہ پڑھ لیا۔رعب کی وجہ سے سب کچھ بھول گیا تھا فرمایا اب جاؤ اور پی لو بہت پریشان تھا کہ اب مزید گنجائش بھی نہیں ہے آخر کیا ہوگا میں بھی نا سمجھ تھا ہر دفعہ لوٹا بھر کر پیتا تھا۔اس دفعہ میں تمام نے آداب کی بڑی رعایت رکھی۔دائیں ہاتھ میں لوٹا پکڑ کر بسم اللہ پڑھ کر قبلہ رخ ہو کر تین سانسوں سے پانی پی لیا پھر الحمدللہ پڑھ لیا جب فارغ ہوا تو پھر بلایا میں تو ڈر گیا کہ اب کیا رہ گیا جب حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا میں تمھیں زبانی بھی سمجھا سکتا تھا یہ عملی مشق میں نے اس لیے کرائی کہ تمھیں زندگی بھر یاد رہے واقعی اس وقت سے لیکر آج تک میں نے کبھی آداب میں کمی نہیں کی اور جب پانی پیتا ہوں تو حضرت مجھے یاد آتے ہیں۔

ڈبکی دعوت کا ایک مزاحیہ منظر:

سہارنپور کے قریب ڈبکی بستی کا ایک رئیس جو مدرسے کا بڑا معاون تھا اور علماء وطلباء سے بہت محبت رکھتا تھا۔وہ مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ کے لیے سالانہ ایک دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ اس میں وہ مدعوین کو کھیر کھلاتا تھا۔جو گنے کے رس میں تیار کیا جاتا۔بڑا لذیذ ہوا کرتا تھا۔طلبہ اور اساتذہ بڑے شوق سے اس میں شریک ہوتے تھے۔ایک دفعہ ہم اس دعوت میں شریک تھے اساتذہ بھی تھے۔اساتذہ اور طلبہ کے سامنے حضرت مولانا عبدللطیف صاحبؒ نے مولانا عبدالمجید صاحبؒ سے فرمایا آج آپ کی ذہانت کا امتحان لیا جائے گا۔مولانا عبدالمجید صاحب نائب ناظم تھے ہمارے استاد تھے بڑے زیرک، سمجھدار، معاملہ فہم، قوت حافظہ اور انتظامی صلاحیتوں سے معمور شخصیت تھے۔مدرسے کا پورا انتظام انہوں نے سنبھالا تھا۔مولانا عبداللطیف صاحبؒ کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔سینکڑوں طلبہ میں سے ہر ایک کا نام اور ذاتی مسئلہ ان کو یاد رہتا تھا۔ان کی ذہانت اور

حافظے کی بڑی شہرت تھی ۔مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے شاگرد تھے ۔انہوں نے فرمایا مولوی عبدالمجید صاحبؒ سامنے مسجد میں جا کر خوب چیک کرواور ہر ایک چیز کو یاد رکھو میں آپ سے مسجد کی چیزوں کے متعلق پوچھوں گا۔مولانا عبدالمجید صاحبؒ چلے گئے تمام چیزوں کی جانچ پڑتال کی۔ہال،صحن برآمدہ کی تمام چیزوں کو ضبط کیا جب واپس آئے تو مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے فرمایا پوری مسجد دیکھ لی انہوں نے فرمایا جی ہاں،مولانا صاحبؒ نے فرمایا جس چیز کے متعلق سوال کروں جواب دو گے۔فرمایا بالکل،تمام طلبہ اور اساتذہ ہنس رہے تھے۔انتظار میں تھے کہ کیا پوچھتے ہیں۔مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ مسجد میں استنجاء کے ڈھیلے کہاں پڑے ہیں۔مولانا عبدالمجید صاحبؒ نے فرمایا اف اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔پوری مجلس ہنس پڑی مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے فرمایا بس فیل ہو گئے۔

دیوبند آمد:

سہارنپور میں چھ سال گزار کر فنون کی تکمیل کے لیے دیوبند آگئے دیوبند میں مولانا اسرار صاحب کے ہاں ٹھہرے۔وہ خط نویس تھے دارالعلوم کے لیے کتابت کے امور سرانجام دیتے تھے انکا قیام ایک درسگاہ میں ہوتا تھا۔ جو کہ خالی پڑی تھی انہوں ہمیں اپنے پاس درسگاہ میں رکھا۔انہوں نے اپنا سرمایہ کتب کی خریداری پر صرف کیا اس لیے انکے پاس نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔میں نے وہاں فنون میں داخلہ لیا مولانا دوست محمد صاحب نے سہارنپور میں دورہ حدیث مکمل کیا تھا۔انہوں نے بعض فنون اور تفسیر کی تکمیل کر لی۔میں نے میبذی،حسامی ،شرح چغمنی۔توضیح تلویح ، ملاحسن اور ھدایہ آخرین میں داخلہ لیا۔شرح چغمنی ہم نے مولانا بشیر صاحب سے پڑھی۔وہ فلکیات کے فن کے ماہر تھے۔انکو اپنے فن پر پورا عبور حاصل تھا۔ملاحسن مولانا نافع گل صاحب سے پڑھی جو حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے بھائی تھے اور جید مدرس تھے۔توضیح تلویح ہم نے مولانا عبدالخالق صاحب سے پڑھی تھی وہ نہایت فصیح و بلیغ انسان تھے۔ ان کے سبق میں بہت مٹھاس ہوتی تھی۔باوجود اس کے کہ یہ ایک مشکل کتاب تھی لیکن طلباء کو انکے

سبق کا شدت سے انتظار ہوتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے ہر استاد محقق ہوتے تھے ان میں کوئی نہ کوئی امتیازی خوبی پائی جاتی تھی جسکی بدولت طلباء کوان سے جنون کی حد تک محبت ہوا کرتی تھی۔

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ:

ھدایہ آخرین ہم نے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے پڑھی تھیں علم وفنون میں حضرت والا کی مہارت کسی سے مخفی نہیں ہے اگر چہ انکو بڑی شہرت ادب کے حوالے سے حاصل تھی لیکن فقہ میں بھی انکا ہم مثل موجود نہیں تھا۔ ھدایہ آخرین چونکہ زیادہ تر معاملات پر مشتمل ہے اس لیے انکے مباحث مشکل سمجھے جاتے ہیں اور عام طور پر مدارس میں ماھرین اساتذہ پڑھاتے ہیں دارالعلوم دیوبند میں اکثر طلباء کی خواہش ہوتی تھی۔ کہ ہم ھدایہ آخرین حضرت والا سے پڑھیں اس لیے طلباء کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے دارالعلوم والوں نے حضرت کا سبق شام کو رکھا تاکہ دوسرے اسباق کے ساتھ اسکا تعارض نہ ہو اور طلباء کثیر تعداد میں شریک ہوسکے۔ مغرب کے بعد دارالحدیث میں ھدایہ پڑھاتے تھے۔ ھال طلباء سے بھرا رہتا تھا حضرت والا بڑی فصاحت اور بلند آواز سے ھدایہ سمجھاتے تھے۔ مسئلہ کی صورت واختلاف آئمہ اور عقلی نقلی دلائل محققانہ انداز میں بیان فرماتے تھے۔ انکا انداز بیان اور مغلق عبارت کی توضیح اور فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں ہر مسئلہ کی فقہی تحقیق قابل دید تھی۔

دوران درس طالبعلم پر نسوار کا اثر:

گڑھی کپورہ مردان کا ایک طالب علم ہمارے ساتھ ھدایہ میں بیٹھتا تھا۔ جب سبق شروع ہوتا تھا تو اس پر نیند کا غلبہ ہوتا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا کہ اتنا قیمتی سبق مجھ سے ضائع ہو رہا ہے۔ آخر میں کیا کروں اس کے ساتھ ایک افغانی طالب علم بیٹھتا تھا اس نے کہا اس کا علاج تو بہت آسان ہے تھوڑی نسوار استعمال کرو کیا مجال ہے کہ نیند آئے۔ اس نے کہا نسوار تو مجھے بہت بُری لگتی ہے لیکن اگر اس سے مجھے اعزاز علی صاحب کا سبق حاصل ہوتا ہے تو اس کے لیے بھی تیار ہوں دوسرے دن جب سبق شروع ہوا حضرت مولانا صاحب حسب معمول بڑے جوش سے سبق

پڑھا رہے تھے۔اور یہاں اس پر نیند کا غلبہ آنے لگا تو اس نے افغانی سے نسوار لیا اور منہ میں ڈالا۔ منہ میں ڈالتے ہی اسکو نشہ چڑھ گیا۔اور فورا کھڑا ہوا اور چیخنے لگا مجھے پکڑو مجھے پکڑو ہال میں خاموشی تھی۔جب اس نے چیخ ماری تو حضرت مولانا صاحب بھی رک گئے اور سارے طلباء حیرت میں پڑ گئے۔اس کے آس پاس موجود طلباء نے اسکو پکڑا اور کمرہ میں لے گئے۔حضرت مولانا صاحب نے اپنا سبق جاری رکھا۔پھر ہم عیادت کے لیے اس کے کمرہ میں گئے وہ تین دن بیمار رہا اور پشتو کا ضرب المثل پیش کیا کہ سینگ بچانے کے لیے کھوپڑی دیدی۔

اکابرین کی مجالس میں شرکت:

حضرت حکیم صاحب چونکہ سہارنپور اور دیوبند دونوں مدارس کے فیض یافتہ تھے اس لیے انکو بہت سے اکابرین کی مجالس میں شرکت کا موقع ملا۔انہوں نے بھی انکی صحبت کو نعمت عظمی سمجھ کر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا انکا حلیہ مبارکہ، رفتار، گفتار، نشست و برخاست، عادات، اطوار کا پورا نقشہ کھینچتے، بڑے مزے سے روح پرور مناظر بیان فرمایا کرتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مجالس میں شرکت:

حضرت حکیم صاحب کو ان سے بڑی عقیدت تھی احوال تو سب کے سنایا کرتے لیکن حضرت مدنیؒ کا جب تذکرہ کرتے تھے تو ان کی حالت بدل جاتی تھی غیر اختیاری طور پر انکی زبان مدح سرائی میں لگ جاتی تھی فرماتے تھے مجھے معلوم نہیں کہ کسی طالب علم کی نگاہ ان پر پڑی ہو اور وہ ان پر عاشق نہ ہوا ہو۔جب ہم سہارنپور میں پڑھتے تھے تو حضرت مدنیؒ کے حالات و واقعات سنتے رہتے تھے۔لیکن قریب سے دیکھنے کا موقع بہت کم ملتا تھا کیونکہ وہ اکثر حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی ملاقات کے لیے رات کو آتے تھے اور فجر طلوع ہونے سے قبل واپس جاتے تھے۔

مظاہر العلوم میں اگر چہ سیاست پر سخت پابندی تھی لیکن طلباء چھپ کر حضرت مدنیؒ کے جلسے میں شریک ہوتے تھے۔مدرسہ کی انتظامیہ جلسہ میں شرکت کی عام اجازت نہیں دیتی تھی۔لیکن جو طلباء

شریک ہوتے تھے ان کے بارے میں چشم پوشی اختیار کرتی تھی ہمیں دیوبند میں آکر قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا درمیانہ قد، خوب صورت منور چہرہ بڑی بارعب آنکھیں بہت خوبصورت انداز سے سڑک کے دائیں جانب چلتے تھے انکی مسجد دارالعلوم کے قریب تھی اکثر پیدل جاتے تھے انکی رفتار میں سنت نبوی کی جھلک تھی۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ بڑی عاجزی اور وقار کے ساتھ چلتے تھے لیکن جب سامنے کوئی انگریز نظر آتا تھا۔ تو چال میں واضح تبدیلی آتی تھی۔ چہرے پر غصہ کے اثرات ظاہر ہوتے تھے کوئی بھی انگریز انکے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا ہمارا اپنا مشاھدہ تھا کہ انگریز سامنے آرہا تھا حضرت مدنیؒ کو دیکھتے ہی اس نے راستہ تبدیل کیا۔

ہم انکی مسجد میں تکرار کے لیے جاتے تھے وہ فجر کی نماز بڑی تاخیر سے پڑھتے تھے سردیوں اور گرمیوں ہر موسم میں انکا یہی معمول تھا۔ اس وقت یہ مشہور تھا کہ حضرت مدنیؒ کو حضور ﷺ کی پوری زندگی کی ترتیب یاد ہے اور انہوں نے حضور ﷺ کی زندگی کے ہر لمحے کا احاطہ کیا ہے۔ انکا بستر چمڑے کا بنا ہوا تھا۔ جس طرح حضور ﷺ کا بستر ہوا کرتا تھا اور کھجور کی چھالوں سے بھرا ہوتا تھا۔

طالب علم کے ایک سوال کا جواب:

حضرت مدنیؒ ہر جمعرات کو عشاء کے وقت طلباء کو اصلاحی بیان فرماتے تھے۔ بڑا پر اثر ماحول ہوتا۔ حضرت مدنی بے تکلف باتیں کرتے تھے بیچ میں مذاق بھی کیا کرتے تھے اور ہم محظوظ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جس طالب علم کا جو بھی سوال ہو پوچھ لیا کرو میں جواب دونگا۔

ایک طالب علم نے مجلس میں سوال کیا کہ حضرت احادیث میں طالب علم کی بڑی فضیلت آئی ہے فرشتے اس کے لیے پر بچھاتے ہیں اور ابھی چند دن پہلے ایک طالب علم نے تمام طلباء کی جوتیاں اکٹھی کر کے چوری کی ہے اس کے لیے بھی فرشتے پر بچھاتے ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے فرمایا ارے بھائی طالب علم چوری نہیں کرتا یہ طالب علم نہیں تھا یہ چور تھا جو طالب علم کا لباس پہن کر آیا تھا۔ اسی طرح اور بھی کئی طرح کے سوالات ہوئے تھے۔ حضرت مدنیؒ مزاحیہ انداز میں جواب دیتے رہتے تھے۔

اسلوب میں تقریر کا انداز:

حضرت مدنیؒ سنت کے سخت پابند تھے اس لیے تقریر میں سنت کی پیروی کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ نہایت فصاحت اور آرام سے ایک ایک لفظ بولتے تھے مدلل انداز میں اپنا موقف سمجھاتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ انگریز سب کے سب بے نسل لوگ ہیں اور یہ میں نہیں کہتا ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے۔ اسکی کتاب کا حوالہ دیکر فرمایا۔ اس نے خود فلاں صفحہ پر لکھا ہے۔ کہ ہمارے انگریزوں کی نسل محفوظ نہیں ہے کیونکہ انکی عورتوں کے بیک وقت کئی مردوں سے مراسم ہوتے ہیں۔ میری اپنی بھی یہ حالت ہے لیکن اپنی ماں کے احترام کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم نے انکی تقریر میں بطور خاص یہ محسوس کیا کہ وہ تقریر میں زیادہ حرکات کرنے سے گریز کرتے تھے۔ صرف چہرہ انور سے دائیں بائیں اور سامنے سامعین کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ہم نے خود دیکھا کہ دو، تین گھنٹوں کی لمبی تقریر میں انکا ہاتھ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا تھا۔ جب ایک دفعہ کسی جگہ ہاتھ رکھ لیتے تھے تو پوری تقریر میں انکا ہاتھ اسی جگہ پڑا رہتا تھا کیونکہ تقریر میں زیادہ حرکات کو خلاف سنت سمجھتے تھے۔

دیوبند اور سہارنپور والوں کے مناظرہ میں حکم کی حیثیت سے شرکت:

دیوبند اور سہارنپور والوں میں مشہور مناظرہ ہوا تھا فریقین نے حضرت مدنیؒ کو حکم مقرر کیا تھا۔ مناظرہ اس مسئلے پر تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام، دیوبند والوں کا موقف تھا کہ دارالحرب ہے اور سہارنپور والوں کا موقف ان کے خلاف تھا دارالعلوم دیوبند کی جانب سے طوطئی ہند حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ آئے تھے جو قصص القرآن کے مصنف ہیں ان کے ساتھ دیوبند کے دوسرے مفتیان عظام بھی تھے اور مظاہر العلوم کی جانب سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ آئے تھے۔ جو معلم الحجاج کے مصنف ہیں۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور دیگر مفتیان کرام اپنے دلائل پیش کرتے تھے۔ عجیب منظر تھا ہمیں اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے پوری جماعت آئی تھی۔ اور مظاہر العلوم کی جانب سے صرف مفتی سعید احمد صاحب بڑے سکون کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتے تھے۔ جب آخر

میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے پر جوش انداز میں اپنی بات پیش کی تو حضرت مدنیؒ کھڑے ہوئے اور سب کو خاموش کر کے فرمایا ارے ہم کسی کی اونچی اونچی باتوں سے نہیں دبتے دلائل مولانا مفتی سعید احمد صاحب کے مضبوط ہیں۔اس لیے حضرت مدنیؒ نے سہارنپور والوں کے حق میں فیصلہ سنادیا۔اس وقت مفتی سعید احمد صاحب کی فقاہت نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

حضرت مدنیؒ کی کرامت:

حضرت مدنیؒ کی پوری زندگی کرامتوں سے بھری پڑی ہے لیکن جو خود ہمارے سامنے پیش آئیں اس کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔جب ہم سہارنپور میں پڑھتے تھے۔تو اس وقت حضرت مدنیؒ کسی جلسہ میں شرکت کے لیے جارہے تھے مسلم لیگ والوں کو پتہ چلا وہ تو ان کے دشمن تھے۔انہوں نے چند اوباش لڑکوں کو ان کے قتل پر آمادہ کیا۔اس لیے انہوں نے دہشتی علاقے میں روڈ پر بڑا درخت ڈال دیا اور روڈ بلاک کیا کہ حضرت مدنیؒ یہاں سے گزریں گے تو حملہ کر کے قتل کردیں گے۔جب حضرت مدنیؒ کی گاڑی وہاں پہنچی تو رک گئی ۔مسلم لیگی لڑکے فوراً کود پڑے جب قریب آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر گاڑی میں حضرت مدنیؒ تشریف فرما ہیں۔وہ سب حیرت میں پڑ گئے کہ کس کو پکڑیں ان میں اصل مدنی کون ہیں۔سب پر رعب طاری ہوا اور سب نے مل کر معافی مانگی۔ادھر دیوبند کے طلباء کو اطلاع ملی تو پوری ایک بس مدد کے لیے آگئی جب طلباء پہنچ گئے تو حضرت مدنیؒ صحیح سالم کھڑے تھے۔انہوں نے طلباء سے فرمایا دیکھو میں نے ان لوگوں کو معاف کردیا ہے۔قدرت کا عجیب کرشمہ تھا جب مسلم لیگی اپنی گاڑی کے پاس آئے تو دیکھا ان کی گاڑی پنکچر کھڑی تھی۔حضرت مدنیؒ نے طلباء سے فرمایا کہ ان لوگوں کی گاڑی اپنی بس سے باندھ لو اور ان کو بھی لے جاؤ یہ اخلاق نبوی کا مظاہرہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟۔جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے سہارنپور میں جلوس نکلا اور ایک جلسہ منعقد کیا جس میں انہوں نے لوگوں کو حضرت مدنیؒ کا پورا قصہ سنایا اور سب لوگوں نے جمعیت علماء ہند میں شمولیت کا اعلان کیا مدرسہ کے قریب محلہ قصابان سے یہ لوگ تعلق رکھتے تھے۔اس محلہ میں سب گھروں پر مسلم لیگ

کے جھنڈے لگے تھے۔ اس واقعہ کے بعد ہم نے دیکھا کہ سب گھروں پر جمعیت کے جھنڈے بلند ہوئے میں نے اس واقعہ میں شریک لوگوں سے خود جا کر سب کچھ سنا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:

جب ہم سہارنپور میں تھے تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کبھی کبھار مدرسہ تشریف لایا کرتے۔ اس وقت ان کا جسم نہایت کمزور تھا لیکن جسمانی ساخت سے معلوم ہوتا تھا کہ صحت مندی کے زمانہ میں وہ دراز قد انسان تھے چہرے کا رنگ سفید تھا۔ ہم نے انکو بیٹھنے کی حالت میں دیکھا ہے بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، ضعف کی وجہ سے بہت آرام سے نماز پڑھتے رہتے تھے جب سجدہ میں جاتے تھے تو بڑے آرام سے پہلے ہاتھ رکھتے تھے پھر سر لگاتے تھے جب اُٹھتے تھے تو کافی وقت میں ہاتھ کھینچ لیتے تھے پھر گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے۔ ہم دور سے انکی زیارت کرتے رہتے تھے۔ جب سہارنپور تشریف لائے تھے تو بہت سارے لوگ زیارت کے لیے جمع ہوئے تھے۔ مدرسہ میں جگہ کم تھی اس لیے مدرسہ کے سامنے ایک مکان انکے لیے خاص کیا گیا تھا۔ وہاں انکا قیام ہوتا تھا اور جملہ معتقدین وہاں آتے تھے ہم بھی انکی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ دور سے انکو دیکھتے تھے۔ قریب بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ زیادہ مراقبوں کی وجہ سے انکی گردن جھک گئی تھی۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا گویا حضرت کی نگاہ قلب ہی پر جمی رہتی تھی۔ ہم تھانہ بھون میں انکی مسجد میں بھی گئے تھے۔

حضرت تھانویؒ کی کرامت کا آنکھوں دیکھا حال:

حضرت تھانویؒ ہندوستانی لباس میں ملبوس ہوا کرتے تھے پاجامہ پہنتے تھے ایک دفعہ سہارنپور تشریف لائے بعض طلباء لاابالی قسم کے ہوتے ہیں بڑوں کے ادب واحترام کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں مستقبل پر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس طالب علم نے کسی نازیبا اشارہ سے حضرت تھانویؒ کا مذاق اڑایا۔ جب حضرت تھانویؒ رخصت ہوئے۔ اور طالب علم کمرہ میں آیا تو اس کے اعضائے مخصوصہ میں شدید درد شروع ہوا۔ چارپائی پر لیٹ نہیں سکتا تھا۔ قریب دیوار کے ساتھ

ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹا رہتا تھا اور چیختا تھا۔ ہمارے قریب اسکا کمرہ تھا۔ ہم عیادت کے لیے جاتے رہتے تھے اس نے خود ہمیں بیماری کا سبب بتایا۔ پھر اس نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ آپ آئے تھے میں نے آپ کا مذاق اُڑایا تھا۔ جسکی وجہ سے مذکورہ بیماری میں مبتلا ہوں۔ میں غریب طالب علم ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے خدا کے لیے مجھے معاف فرمائیں۔ ورنہ میں علم سے محروم ہو جاؤنگا۔ کیونکہ اس حالت میں یہاں ٹھہرنا میرے لیے مشکل ہے۔ حضرت تھانویؒ نے خط کا جواب دیا ہم اس طالب علم کیساتھ بیٹھے تھے کہ حضرت تھانویؒ کا خط آیا انہوں نے جواب میں لکھا تھا مجھے کچھ معلوم نہیں کہ تم نے کیا حرکت کی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ تجھے معاف فرمائے۔ آئندہ لوگوں کا مذاق نہ اُڑایا کرو۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جوں ہی اس طالب علم نے خط پڑھا عین اسی وقت بالکل ٹھیک ہوا پھر نہ درد تھا۔ نہ کچھ اور خوش ہو کر چلنے پھرنے لگا۔

حضرت تھانویؒ کی تدفین میں شرکت:

جب حضرت تھانویؒ کا انتقال ہوا تو سہارنپور سے تھانہ بھون کے لیے سپیشل ٹرین جاری ہوئی۔ مدرسہ والوں نے پوری ٹرین بک کی۔ مولانا اسماعیل صاحب جو مطبخ کے ذمہ دار تھے۔ وہ طلباء کو ایک پرچی دیتے تھے اور اس پرچی پر سیٹ ملتی تھی۔ ہم جنازے میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے۔ رش بہت زیادہ تھا اس لیے ہماری گاڑی لیٹ ہوگئی۔ ہم جنازے میں شریک نہیں ہو سکے۔ انہوں نے ہمارا انتظار کیا۔ لیکن ہماری گاڑی نہیں پہنچ سکی۔ جب ہم پہنچے تو اس وقت تدفین شروع تھی۔ ہم دیکھ رہے تھے۔ کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے ہاتھوں پر گارا لگا ہوا تھا اور تدفین میں حصہ لے رہے تھے۔ وہاں باقاعدہ اعلان ہوا کہ سہارنپور سے گاڑی بروقت نہیں پہنچ سکی اس لیے طلباء جنازے میں شریک نہیں ہو سکے۔ لہذا اب قبر پر مٹی ڈالنے میں پہلے انکو موقع دیا جائیگا۔ اور یہ بھی اعلان ہوا کہ صرف لپ بھر مٹی ڈالے زیادہ کی اجازت نہیں تاکہ سب کا حصہ ہو جائے۔ الحمدللہ مجھے بھی مٹی ڈالنے کا موقع ملا۔ انکی قبر پر مٹی بھی ختم ہوگئی تھی۔ اس

لیے آخر میں لوگ صرف ہاتھ پھیرتے تھے۔حضرت تھانویؒ کی تدفین ایک بہت بڑے باغ میں ہوئی جو انکی ذاتی ملکیت تھی۔اور حالت حیات میں انہوں نے یہ باغ قبرستان کے لیے وقف کیا تھا۔حضرت تھانویؒ کی تدفین سے اسکا افتتاح ہوا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب:

شیخ الحدیث صاحب مظاہر العلوم میں قیام پذیر تھے۔دار العلوم کے قدیم احاطہ میں انکا کمرہ تھا انکی زیارت کا موقع بہت میسر ہوتا تھا۔نہایت حسین اور خوش لباس انسان تھے۔دراز قد سفید رنگ کا نورانی چہرہ اکثر کالی پگڑی باندھتے تھے اور سردیوں میں لمبا جبہ پہنتے تھے۔بہت خوبصورت نظر آتے تھے۔جب بھی ان پر نظر پڑتی تھی تو نظر پھیرنے کو جی نہیں چاہتا تھا میرے والد محترم شکل وصورت میں انکے مشابہ تھے۔میں جب بھی انکو دیکھتا تھا تو مجھے وہ یاد آتے تھے۔میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی طرح ذکر فکر کا پابند اور مصروف شخص نہیں دیکھا۔انہوں نے اپنے اوقات تقسیم کئے تھے اور معمولات کے بہت پابند تھے میرے خیال میں انہوں نے زندگی بھر کبھی کوئی لمحہ بغیر ذکر وفکر کے نہیں گزارا۔وہ جب اپنے کمرہ سے دار الحدیث جاتے تھے تو اس دوران بھی انہوں نے تلاوت کا کچھ حصہ مقرر کیا تھا۔جب دار الحدیث پہنچ جاتے تھے۔اگر تلاوت پوری ہوتی تو سیدھے اندر تشریف لے جاتے تھے اور اگر کچھ حصہ باقی رہتا تو دار الحدیث کے سامنے برآمدے میں کچھ دیر کے لیے کھڑے رہتے تھے۔جب تلاوت پوری فرماتے تو اندر تشریف لے جاتے تھے۔انہوں نے طلباء پر پابندی لگائی تھی کہ میرے لیے کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔اگر کوئی کھڑا ہو جاتا تو ناراض ہوتے تھے۔اس لیے طلباء بیٹھے رہتے تھے۔وہ صرف احادیث کی کتابیں پڑھاتے تھے۔اس لیے ہمیں انکے درس میں شریک ہونے کا موقع نہ مل سکا۔

مشاورت کے لیے حضرت مدنیؒ کی آمد:

حضرت شیخ الحدیث صاحب عملاً سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے انکی دیگر مصروفیات

بہت تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انکو فراست اور دانشمندی سے نوازا تھا جسکا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مدنیؒ کو جب کبھی کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تھا تو مشاورت کے لیے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پاس تشریف لاتے تھے۔ اکثر تہجد کے وقت تشریف لاتے تھے۔ اور فجر نماز سے قبل واپس تشریف لے جاتے تھے۔ ہمیں پھر صبح معلوم ہوتا تھا کہ آج رات حضرت مدنیؒ تشریف لائے تھے۔

شیخ الحدیث صاحبؒ کا مطالعہ کے دوران استغراقی کیفیت:

حضرت شیخ الحدیث صاحب بڑے استغراق کے ساتھ مطالعہ فرماتے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں باہر مدرسہ کے صحن میں مطالعہ فرماتے تھے ایک دفعہ ہم دیکھ رہے تھے کہ برسات کے موسم میں باہر چارپائی میں تشریف فرما تھے۔ مطالعہ میں مصروف تھے گرمی کی وجہ سے قمیص اتاری تھی۔ برسات کے موسم میں حشرات بہت ہوتے ہیں جو لائٹ کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب لائٹ کے نیچے مطالعہ میں مصروف تھے۔ اتنے پتنگ انکے جسم سے چمٹے ہوتے تھے کہ پورا جسم ڈھانپ لیا حضرت کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ فوراً کپڑا لیا اور جسم کو صاف کیا ہمیں انکی استغراقی کیفیت پر بڑا تعجب ہوا۔

عصر کے وقت چہل قدمی:

حضرت شیخ الحدیث صاحب کا معمول یہ تھا عصر کے وقت چہل قدمی فرماتے تھے لیکن اس دوران بھی اپنے اوراد پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔ مدرسہ کی دوسری منزل میں ایک ایسی کھلی جگہ تھی۔ جسکے اردگرد لوہے کی سلاخوں کی باڑ تھی۔ حضرتؒ عصر کے پورے وقت میں وہاں ٹہلتے رہتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ اوراد بھی پڑھتے تھے مغرب تک چکر لگاتے رہتے تھے۔ یہ انکی ورزش تھی ان لمحات میں بھی غفلت برداشت نہیں کرتے تھے۔

سال بھر جوتوں کی ضرورت نہیں پڑی:

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدرسہ ہی میں رہتے تھے بہت کم باہر جاتے تھے بلکہ سال

پھر مدرسہ سے باہر نہیں جاتے تھے۔ایک دفعہ انکی جوتیاں گم ہو گئیں۔پورے سال میں انہوں نے نئی جوتیاں نہیں خریدیں کیونکہ پورے سال میں انکو باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔اور مدرسہ کے اندر جوتے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

رئیس المبلغین حضرت العلامہ مولانا محمد الیاس صاحب کی آمد:

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سہارنپور تشریف لایا کرتے تھے جب بھی انکی تشریف آوری ہوتی تو کافی سارے لوگ جمع ہوتے اور مدرسہ کے قریب مساجد بھی لوگوں سے بھر جاتی تھیں پورے مدرسہ میں ہل چل مچ جاتا تھا۔مظاہر العلوم کے اکابر اساتذہ کرام انکی خدمت میں مصروف رہتے تھے،طلباء کو خدمت کا موقع میسر نہ ہوتا تھا۔ہم دیکھتے حضرت شیخ الحدیث صاحب بذات خود انکی خدمت کے لیے چوکس کھڑے رہتے تھے۔اساتذہ ان کے لیے بادام اور دیگر مغزیات کوٹتے تھے۔ان کے لیے کشتہ تیار کرتے تھے۔حضرت مولانا صاحب جسم سے بہت کمزور تھے۔اور سخت بیمار بھی رہتے تھے۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے عالمی اصلاحی تحریک کی پوری ذمہ داری سنبھالی تھی۔جب مدرسہ تشریف لاتے تھے۔تو طلباء سے اصلاحی بیان بھی فرماتے تھے لیکن انکی زبان میں شدید لکنت پائی جاتی تھی۔اس لیے بڑی مشقت سے بیان فرماتے تھے کبھی کبھار جب زبان زیادہ اٹک جاتی تھی تو آستین کھینچ لیتے تھے۔

نظام الدین مرکز میں چند دن:

جب درمیان سال میں ہمیں ایک ہفتہ کی چھٹیاں ملیں تو اس میں ہم نظام الدین تبلیغی مرکز گئے۔ہم نے پورا ہفتہ وہاں گزارا۔اس وقت حضرت مولانا الیاس صاحبؒ وفات پا گئے تھے۔اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ امیر مقرر ہوئے تھے۔اس ہفتہ میں ہمیں بہت فائدہ حاصل ہوا حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بیانات سننے کا موقع ملا۔حضرت مولانا صاحبؒ کی علمیت تو کسی سے مخفی نہیں۔کیونکہ علمی دنیا میں انکی تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔خاصکر"حیاۃ الصحابہ"جس محنت سے لکھی ہے یہ انکا بڑا علمی کارنامہ ہے جسکا فائدہ بہت عام ہوا۔عرب

لوگ اب بھی اسکو بہت پسند کرتے ہیں خواص کے لیے طحاوی شریف کی شرح بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

ہر روز صبح ان کا بیان ہوتا تھا۔ انکے بیانات بڑے پر اثر اور حکمت آمیز ہوتے تھے ہم انکے بیانات اہتمام سے سنتے تھے۔

نظام الدین کے محلے میں گشت:

نظام الدین مرکز سے ہماری تشکیل ایک مسجد میں ہوئی وہاں صرف گشت اور بیان کرنا تھا۔ پھر رات کو واپس مرکز لوٹ آنا تھا جب ہم محلے کا گشت کر رہے تھے تو حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ہمارے گشت کے امیر تھے۔ تبلیغی جماعت والوں میں وہ معروف تھے۔ رائیونڈ کے عالمی اجتماع اور سالانہ جوڑ میں ہر سال تشریف لاتے تھے انکے بیان کو بڑی اہمیت حاصل تھی آخر میں ٹانگوں سے معذور ہو گئے تھے۔

نظام الدین میں مولانا لئیق احمد صاحب کی گمنام خدمت:

جب نظام الدین مرکز گئے تو رات کو ایک بڑے ہال میں لوگ سو جاتے تھے مرکز کی جانب سے انکو بستر دیئے جاتے تھے۔ ایک شخص بستروں کا ایک بڑا بوجھ اٹھایا ہوا ہال میں داخل ہوا بستروں میں چھپا ہوا تھا۔ مختلف جگہوں سے لوگوں نے آوازیں دینی شروع کی۔ کہ لئیق ادھر لاؤ اور لوگ اس سے بستر کھینچتے رہتے جب بستر تقسیم کیے۔ اور انکا چہرہ ظاہر ہوا ہم نے قریب سے دیکھا تو وہ ہمارے استاد محترم مولانا لئیق احمد صاحب تھے ہمیں بڑا تعجب ہوا۔ ان سے ہم نے سہارنپور میں فنون کی کتابیں پڑھی تھیں بڑے ذہین انسان تھے لیکن انکی بیوی فوت ہو گئی تھی۔ جسکی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے پھر تدریس چھوڑ دی ہم اس تجسس میں تھے کہ تدریس چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہمیں اطلاع ملی کہ وہ انتقال فرما گئے ہیں۔

رات میواتیوں کے رونے کا رقت آمیز منظر:

تبلیغی محنت میں میواتیوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس عالمی محنت کے پورے ثمرات

انکو ملتے رہیں گے کیونکہ اس شجرہ طیبہ کی جڑوں کی سیرابی انکی آنسوؤں سے ہوئی ہے۔ یہ سادہ لوح قسم کے لوگ تھے۔ ہم نے انکو دیکھا پوری رات روتے رہتے تھے۔ ان میں اکثریت کی یہ حالت تھی کہ پوری رات جاگ کر گزارتے تھے۔ اور دعا کرتے تھے۔ کہ یا اللہ امت کو ھدایت نصیب فرما۔ مولانا الیاسؒ صاحب نے انکے دلوں میں ایسا درد پیدا کیا تھا جسکی وجہ سے انکو آرام نہیں آتا تھا۔ نظام الدین مرکز کے اس چند روزہ تشکیل کا اثر زندگی بھر محسوس کیا بڑا پر لطف سفر تھا۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے ملاقات:

ہم حضرت مفتی صاحب سے بطور خاص ملنے کے لیے دھلی گئے۔ مدرسہ امینیہ میں ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا اور اپنے کمرے میں بٹھایا ان کے ساتھ تنہائی میں تفصیلی ملاقات ہوئی۔ جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی انکی داڑھی سرخ تھی نہایت ہنس مک اور بے تکلف انسان تھے۔ ہمارے ساتھ بے تکلفی سے گپ شپ لگائی ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ گویا یہ ہمارا پرانا تعلق والا ہے انہوں نے ہماری بہت عمدہ مہمان نوازی کی اس ملاقات سے ہمیں بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

حضرت حکیم صاحب کی عام جلسوں میں شرکت:

طالب علمی کے زمانے میں ہماری زیادہ تر توجہ اسباق کی طرف رہتی تھی۔ اس لیے ہم سیاسی جلسوں میں کم شریک ہوتے تھے۔ البتہ جب کسی جلسے میں اکابرین کے بیانات ہوتے تھے تو پھر حاضری کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مدنیؒ کے جلسوں میں بطور خاص شریک ہوتے تھے اور بڑے شوق سے انکی تقاریر سنتے تھے انکے علاوہ جن مشہور مقررین کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔ ان میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی تھے۔ جن کو طوطئی ہند کے لقب سے پکارا جاتا تھا، انکی تقریر بڑی سحر انگیز ہوتی تھی۔ تین گھنٹے لمبی تقریر میں پورے مجمع میں کسی کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مجمع پر سکوت طاری رہتا تھا۔ پورا مجمع جھومتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے معراج کے موضوع پر تین گھنٹے مدلل تقریر کی جو مجھے آج تک حرف بحرف یاد ہے اور انہی

سے میں نے تقریر کا انداز سیکھا۔

انکے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریریں بھی سنیں ہیں۔ واقعی وہ اسم با مسمیٰ تھے انکو بھی اللہ نے
تقریر کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقاریر بھی ہم نے ہندوستان
میں بہت سنی ہیں ان کی خوش آوازی تو ان کی کرامت تھی۔ بڑے فصیح وبلیغ انداز میں بیان فرماتے
تھے۔ لوگ بڑے ذوق وشوق سے ان کی تقریر سننے کے لیے آتے تھے۔ نوجوانوں میں شورش
کشمیری کی تقریر بڑی پراثر تھی۔ اس وقت اس کی جوانی کا دور تھا۔ ڈاڑھی بھی پوری نہیں آئی تھی۔
لیکن تقریر کی بدولت بڑی شہرت حاصل کی۔

اکوڑہ خٹک آمد:

جب ہم نے فنون مکمل کئے ابھی مشکوٰۃ اور دورہ حدیث کے دوسال باقی تھے کہ ۱۹۴۷ء کو
ہندوستان پاکستان کی تقسیم ہوئی اور ہم ہندوستان سے پاکستان منتقل ہوئے ہم تو خیریت سے پہنچے
ہمارے بعد دوسری ٹرین میں طلبہ کو سکھوں نے بڑی بے دردی سے شہید کیا جب ہم یہاں آئے تو
بہت پریشان تھے۔ کہ احادیث کے آخری دوسال کہاں گزاریں گے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ شیخ
الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بھی تشریف لائے ہیں۔ حضرت شیخ صاحبؒ کو ہم دیوبند
کے زمانے سے جانتے تھے۔ وہاں ان کی بڑی شہرت تھی۔ ان کی آواز بہت بلند اور زوردار
تھی۔ اس لیے دیوبند میں ان کو دوسری درسگاہوں سے ایک طرف بڑی درس گاہ دی گئی تھی۔ جب
یہ سبق پڑھانا شروع فرماتے تھے تو ہمارے ایک استاد صاحب سبق بند کر کے کہتے تھے کہ ہم ان
کے پڑوس میں سبق نہیں پڑھا سکتے۔ حضرت شیخ صاحب کی علمیت کا اندازہ تو ہمیں پہلے سے تھا
جب ہمیں اطلاع ملی تو ہم نے ان کی آمد اپنے لیے نعمت عظمیٰ تصور کی اور ان کی خدمت میں حاضر
ہوئے حضرت شیخ صاحب نے اس مشکل گھڑی میں ہمیں مضبوط سہارا دیا اور دیوبند کے تمام علمی
یتیموں کو اپنے سایہ شفقت کے نیچے جمع کیا۔

دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس:

حضرت شیخ صاحبؒ نے ہماری درخواست پر اپنی ہی مسجد میں درس حدیث شروع کیا۔ طلبہ کا قیام بھی اسی مسجد میں تھا ہم نے مشکوٰۃ، جلالین، بیضاوی شریف اور موقوف علیہ کی دیگر کتب ایک سال میں پڑھیں۔اس درجہ میں ہم تقریبا پچیس ساتھی تھے۔اور دوسرے سال ہم نے ان سے مکمل دورہ حدیث پڑھ لیا۔ہم سے پہلے بھی تقریبا چھ سات طلبہ نے ان سے دورہ حدیث مکمل کیا۔حضرت شیخ صاحب بڑے باہمت اور علم کے سمندر تھے اس لیے وہ تنہا دونوں درجے پڑھاتے تھے۔اور کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں فرماتے تھے۔صرف مسلم شریف پڑھنے کے لیے طلباء کو حضرت مولانا بادشاہ گل صاحب کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ خوش رہیں اس لیے ہم نے مسلم شریف حضرت شیخ صاحبؒ کی منشاء کے مطابق ان سے پڑھی۔

جب دورہ حدیث کا سال شروع ہوا۔تو ہمارے چند ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب علم کے حصول کے لیے دیوبند جانا بہت مشکل ہوا۔تشنگان علوم نبوت اپنی پیاس کہاں بجھائیں گے۔ کیوں نہ ایک ایسے ادارے کا بندوبست کیا جائے جو دیوبند کے نظریات اور علمی تحقیقات کا مظہر ہو چنانچہ ہم چھ ساتھیوں نے اپنی فریاد حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کی۔اور ان سے عرض کیا کہ جناب اب ایک بڑے علمی وتربیتی ادارے کا قیام ناگزیر ہے اور یہ کام آپ ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔حضرت شیخ صاحب نے فرمایا یہ بہت مشکل ہے کیونکہ ہمارے پٹھانوں کا مزاج مدرسوں کا نہیں ہے۔ہندوستانی لوگ مدارس کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے ہیں۔اور یہاں ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔میری تدریسی مصروفیت بہت زیادہ ہے اس کے ساتھ دوسرے کام اور رابطہ مہم چلانا مشکل ہے۔ایسا نہ ہو کہ موجودہ نظام پر اثر پڑے ہم نے اصرار کیا کہ حضرت حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مدرسے کا قیام ہو۔بس آپ قیام کا اعلان فرمائیں رابطے کے لیے ہم جائیں گے۔چنانچہ بڑی منت ساجت کے بعد حضرت شیخ صاحبؒ تیار ہوئے۔اور بالآخر دارالعلوم حقانیہ کے قیام کا اعلان فرمایا۔جب انہوں نے اعلان فرمایا تو فضا بھی سازگار ہوگئی۔اور

اللہ تعالیٰ نے اکوڑہ خٹک کے رؤساء کے دل میں ڈال دیا۔اس لیے انہوں نے باہمی اتفاق سے مشترکہ طور پر سڑک کے کنارے واقع شاملات زمین دارالعلوم کے لیے وقف کردی۔ مجھے آج بھی ان کے اس ایثار پر رشک آتا ہے کہ اپنے پیچھے کتنا عظیم سرمایہ چھوڑ کر رخصت ہو گئے ہیں۔

مختلف طبقات میں دارالعلوم حقانیہ کے تعارف کی مہم:

جب دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا تو ہم نے لوگوں میں اس کو متعارف کرانے کا سلسلہ شروع کیا۔عصر کے وقت جب اسباق سے فارغ ہوتے تھے۔تو مختلف مقامات پر جاکر تقریریں کرتے تھے۔اور مدرسہ کا تعارف کیا کرتے تھے۔اس مہم کا آغاز ہم نے اکوڑہ خٹک بازار کے چوک سے شروع کیا۔عصر کے وقت ہم نے لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھیوں نے تقریریں شروع کیں اور اکوڑہ خٹک کے لوگوں کو یہ بشارت سنادی اس کے بعد بھی مختلف عنوانات کے تحت جلسے قائم کرتے تھے اور مدرسے کی تشہیر کیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ ہمارے ساتھی چھٹی کے اوقات میں تقسیم ہوتے تھے۔اور قریب دیہاتوں میں ہو جاتے۔اور مختلف مساجد میں لوگوں سے کہتے تھے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس کا نام دارالعلوم حقانیہ ہے تعاون بھی کیا کرو اور بچوں کو بھی داخل کراؤ۔لوگ اسی وقت کچھ نہ کچھ چندہ جمع کر کے ہمیں دیا کرتے تھے۔کوئی ٹکا، کوئی چونی، کوئی روپیہ دیتا تھا۔ہم جمع کر کے حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔اور حضرت شیخ صاحبؒ کی زبان مبارک پر ہمارے لیے بے اختیار دعائیں شروع ہو جاتی تھیں۔الحمدللہ مجھے فخر ہے اور اس کو آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم حقانیہ کی ابتدائی خدمت اللہ تعالیٰ نے ہم سے لی۔میں زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز رہوں تو اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکوں گا۔

میرے ساتھ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی محبت:

میں انکے ابتدائی شاگردوں میں شامل تھا اس لیے حضرت مولانا صاحب میرے ساتھ بہت محبت کیا کرتے تھے۔ویسے تو انکا مزاج اس طرح تھا کہ جب کوئی ان سے ملتا تھا تو یوں محسوس

کرتا تھا۔ کہ بس صرف، میرے ساتھ ہی انکی محبت ہے۔ میری طرح کوئی اور محبوب نہیں۔ لیکن میں نے ابتداء سے لیکر زندگی کے آخری لحات تک انکی خصوصی محبت محسوس کی جب میرا کوئی مہمان آتا تھا تو حضرت گھر سے اسکے لیے کھانا بھیجتے۔ اکثر اوقات ہمیں بھی گھر سے کھلاتے تھے۔ اور ہم جب بھی ملاقات کے لیے جاتے تھے تو کوئی پابندی نہ ہوتی تھی۔ حضرت مولانا انوار الحق صاحب بطور خاص ہمیں انکی زیارت کے لیے لے جاتے تھے۔ وہ بہت خوش ہوتے تھے۔

انکے بعد انکی اولاد کی محبت بھی میرے ساتھ مثالی رہی۔ جب ہم سبق پڑھتے تھے تو اس وقت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور حضرت مولانا انوار الحق صاحب کم عمر تھے۔ مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا انوار الحق صاحب ہمارے ساتھ بہت بیٹھتے تھے اس لیے ان حضرات کے ساتھ اب بھی بڑی بے تکلفی ہوتی ہے۔ مولانا سید شیر علی شاہ صاحب بھی پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ طلباء کو تکرار کراتے تھے۔ ان میں ذہین شمار ہوتے تھے۔

دارالعلوم حقانیہ کی پہلی دستار بندی:

دارالعلوم حقانیہ میں سب سے پہلے ہماری دستار بندی ہوئی جس کے لیے باقاعدہ جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس دور میں اکابر علماء نے شرکت فرمائی اور تقریریں کیں اور مختلف شعراء نے منظوم کلام بھی پیش کیئے۔ جس میں سرحد کے مشہور شاعر رئیس الشعراء مولانا عبداللہ صاحب نوشہروی نے جو شیلے انداز میں اپنی نظم پیش کی جس میں حقانیہ کی تعریف کی گئی تھی۔ اور طلباء کو مبارکباد پیش کی گئی تھی۔ بڑی پررونق مجلس تھی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی مردان آمد:

مختلف موقعوں پر حضرت شیخ الحدیث صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ پہلی دفعہ حضرت حکیم صاحب کے نکاح کی تقریب۔ کے موقع پر تشریف لائے تھے۔ گاؤں والے استقبال کے لیے سڑک پر نکل آئے تھے۔ جب حضرت شیخ صاحب تشریف لائے تو گاؤں والوں نے پر جوش استقبال کیا۔ گاؤں میں ایک ملک صاحب کے پاس بندوق تھی۔ اس کے بیٹے نے خوشی میں ہوائی

فائرنگ کی۔اسٹاپ سے گاؤں تک لوگوں نے جلوس کی شکل میں پہنچایا۔رات کوانہوں نے تقریری اور رلبید سرحد مولانا عبداللہ صاحب نوشہروی نے نعت خوانی کی۔دوسرے شعراء نے بھی نعتیں اور نظمیں پیش کیں۔حضرت مولانا صاحب کبھی کبھار جمعہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لاتے تھے۔

حضرت حکیم صاحب کی تدریسی زندگی:

جب حضرت حکیم صاحب نے فراغت حاصل کی۔تو اس وقت مدارس کا باقاعدہ نظام نہیں تھا۔مساجد میں درس کے حلقے لگتے تھے۔حضرت حکیم صاحب اور حضرت مولانا دوست محمد صاحب نے اپنی مسجد میں تدریس کا آغاز کیا۔مختلف علاقوں سے طلباء حصول علم کے لیے آتے تھے۔ 40 کے قریب طلباء مختلف فنون کی کتب پڑھنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔جسمیں زیادہ تر سوات ،دیر، باجوڑ اور وزیرستان کے طلباء تھے۔بعض طلباء کا قیام وطعام مسجد میں ہوتا تھا اور بعض دوسری قریبی مساجد میں رہتے تھے۔سبق پڑھنے کے لیے آتے تھے۔نحومیر سے لیکر شرح جامی اور شرح وقایہ تک پڑھنے والے طلباء موجود رہتے تھے۔انکے علاوہ دیگر کتب کے لیے بھی طلباء آتے تھے۔ طلباء ان سے بہت متاثر ہوتے تھے۔کیونکہ وہ انتہائی فصیح وبلیغ انسان تھے۔تدریس کا یہ سلسلہ سات،آٹھ سال تک جاری رہا۔پھر طب میں شہرت کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہوا۔

طبی میدان میں غیر اختیاری آمد:

حضرت حکیم صاحب کی بنیادی دلچسپی تدریس کے ساتھ تھی۔طب کی طرف خاص توجہ نہیں تھی۔انہوں نے فارغ اوقات میں طب کا سلسلہ شروع کیا۔انکو اتنی شہرت ملی کہ لوگوں کا ہجوم انکے گرد جمع ہونے لگا۔لوگ قطاریں بنا کر باری کا انتظار کیا کرتے تھے۔حضرت حکیم صاحب اس سے دلبرداشتہ ہوئے۔اور بہت پریشان ہوئے، کہ اسکی وجہ سے میری تدریس پر اثر پڑیگا۔اس لیے انہوں نے مطب بند کر کے اعلان کیا۔کہ میں نے حکمت چھوڑ دی۔اور چند دنوں کے لیے گاؤں سے روپوش ہو گئے۔لوگ آتے تھے۔اور گاؤں والے انکو واپس کرتے تھے کہ انہوں نے

کام چھوڑ دیا ہے۔ جب انکو یقین آیا۔ تو گاؤں واپس آگئے۔ اور اپنی تدریس شروع کی۔ لوگوں کو پتہ چلا کہ حکیم صاحب واپس آچکے ہیں۔ تو دوبارہ مریضوں نے آنا شروع کیا۔ حضرت حکیم صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں طلباء کو سبق پڑھاتا تھا۔ اور مریض مسجد سے باہر جوتوں کی جگہ میں بیٹھ کر انتظار کرتے تھے۔ میں انکو واپس کرتا تھا کہ میں نے حکمت چھوڑی ہے وہ کہتے تھے۔ بس صرف پرچی لکھو ہم بازار سے دوائی خریدیں گے۔ پھر فارغ اوقات میں انکو پرچیاں دیا کرتا تھا۔ پھر تنگ آکر دوبارہ روپوش ہوا۔ جب پھر واپس آیا اور تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو مریضوں کا رش پھر شروع ہوا۔ عورتیں اور بچے مسجد میں آکر انتظار کرتے تھے۔ میں واپس کردیتا تھا طلباء منت ساجت کرتے تھے کہ ہم انتظار کریں گے لیکن ان لوگوں کو رخصت کریں۔ میں مریضوں کو پرچیاں دیکر رخصت کرتا تھا۔ لیکن جب مجھے احساس ہوا کہ اب حکمت سے میری خلاصی ممکن نہیں۔ اور طلباء کا وقت بھی ضائع ہو رہا ہے۔ تو بالآخر میں نے طلباء سے معذرت کرلی۔ انکو دوسرے مدارس اور دوسرے علماء کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ یوں حضرت حکیم صاحب کا سلسلہ تدریس غیر ارادی اور غیر اختیاری طور پر منقطع ہوا۔ اس انقطاع پر زندگی بھر انکو حسرت رہتی تھی۔

طبی خدمات:

آپ اپنے دور کے مشہور اور ماہر طبیب تھے۔ انکے پاس زیادہ تر نسخہ جات انکے عم محترم حضرت مولانا عبدالحمید صاحب کے تھے۔ اور کچھ دیگر نسخہ جات بھی جمع کئے تھے۔ ذاتی تجربات کی بناء پر بھی انہوں نے بہت سے نسخہ جات تیار کئے تھے۔ مریض کے چہرے کو دیکھ مرض کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ کبھی کبھار نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض کی کیفیت معلوم کرتے تھے۔ انکے فرزند حاجی مسعودالرحمن صاحب جو انکے خادم خاص تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص اپنا مریض بچہ لیکر آیا۔ کہ اس کے سر میں شدید درد ہے۔ حضرت حکیم صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا۔ تو اس لڑکے کے والد کو دوسرے کمرے میں بلایا اور فرمایا کہ اس لڑکے کا مرض خطرناک ہے اس کو ہسپتال لے جاؤ۔ راستے میں کسی ڈاکٹر کو مت دکھاؤ اگر فوری نہیں پہنچایا تو زندگی بھر پچھتاؤ

گے۔اور اس کو بطور تعاون کچھ رقم بھی دیدی۔ یہ حضرت حکیم صاحبؒ کی عادت تھی کہ ایسے موقع پر تعاون فرماتے تھے۔ایک ہفتہ بعد ایک شخص آیا اور رو رہا تھا اور کہا کہ میں اس لڑکے کا بھتیجا ہوں۔ہم نے حضرت حکیم صاحب کی بات نہیں مانی۔راستے میں ایک معروف ڈاکٹر کو دکھایا۔اس نے کہا معمولی سر درد ہے ٹھیک ہوجائے گا۔اس نے انجکشن لگایا۔دوائی دیدی ہم چلے گئے جب گھر پہنچے۔تو لڑکے کی طبعیت خراب ہوئی۔اور دو گھنٹے کے اندر فوت ہوگئے۔حضرت حکیم صاحب نے فرمایا جب میں نے اسکا نبض چیک کیا تو نبض کی رفتار سے مجھے معلوم ہوا کہ اسکی شریان رگ پھٹنے کے قریب ہے۔بچوں کے امراض میں انکے نسخے بڑے کارآمد تھے۔بچوں کے امراض میں ان کو خصوصی مہارت تھی۔طبی حوالے سے ان کے کارناموں کے کئی واقعات لوگوں میں مشہور ہیں۔

علماء اور طلباء کی خصوصی رعایت:

ان کے مطب میں علماء اور دینی مدارس کے طلباء کی بڑی عزت افزائی ہوتی تھی۔رش کی وجہ سے لوگ باری کا انتظار کرتے تھے۔لیکن علماء کرام اور دینی مدارس کے طلباء اس سے مستثنیٰ تھے جب بھی آتے تھے ان کو بغیر نمبر کے دیکھتے تھے اور مفت علاج کرتے۔وہ علماء اور طلباء کو آنے جانے کا کرایہ بھی دیتے تھے۔جو علماء آتے تھے ان کی خاطر تواضع بھی فرماتے تھے۔ان کی آمد سے اتنے خوش ہوتے تھے کہ علماء اور طلباء بے تکلف کثرت سے تشریف آوری فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم یہاں آتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنے گھر پہنچ گئے ہیں۔عصر کے وقت اکبر دارالعلوم مردان کے اساتذۂ کرام کثرت سے تشریف لایا کرتے تھے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب اکثر عصر کے وقت تشریف لاتے تھے۔ان کے آنے سے ہمارے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔حضرت حکیم صاحب فرماتے تھے کوئی خاص چیز تیار کرکے لاؤ۔حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جب حقانیہ اکوڑہ خٹک سے اکبر دارالعلوم آئے تو بہت کثرت سے آیا کرتے تھے۔فرماتے تھے ہم نے ایسا حکیم نہیں دیکھا جو دوائی بھی مفت دیدے اور

پھر پر تکلف کھانا بھی کھلائے۔اور یہ بھی فرماتے تھے حضرت حکیم صاحب اپنے دور کے حاتم طائی ہے۔حضرت حکیم صاحب ان کے ساتھ اکابرین کے تذکرے کیا کرتے تھے۔ان کی مجلس بڑی لمبی ہوا کرتی تھی۔اور حضرت حکیم صاحب انکو خاص وقت دیتے تھے۔

عام لوگوں کے ساتھ رویہ:

حضرت حکیم صاحب نے طب کو محض کمائی کا ذریعہ نہیں بنایا۔اگر چہ طبی میدان میں انہوں نے جس خلوص،محبت،دیانتداری،رواداری اور فیاضی سے ہر خاص وعام کی خدمت کی وہ بھی قابل تحسین ہے۔انہوں نے کسی مریض کی مجبوری سے غلط فائدہ نہیں اٹھایا۔وہ ہر آنے والے کا احترام کرتے تھے۔اور غریب لوگوں کے ساتھ خاص تعاون کرتے تھے۔انہوں نے کبھی بھی کسی مریض سے دوائی اس وجہ سے واپس نہیں لی ہے کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔بلکہ بہت سے غریب لوگوں کو مفت دوائی دیتے تھے۔معمولی دوائی کے پیسے تو کسی سے بھی نہیں لیتے تھے اس لیے سر درد،زکام،قے وغیرہ کی تین چار گولیاں تو ہر کوئی مفت لے جاتا تھا۔وہ نہایت خوش طبع انسان تھے۔اس لیے مریضوں کے ساتھ بھی خوش طبعی کیا کرتے تھے۔اور ہر کوئی ان سے خوش رہتا تھا۔دور دراز سے لوگ علاج کے لیے آتے تھے۔ایک دفعہ عصر کے وقت ایک مریض صوابی سے آیا۔اور اس وقت انہوں نے مطب بند کیا تھا۔کیونکہ ظہر کے بعد دکان بند کرتے تھے ان کا مزاج رات تک مطب چلانے کا نہیں تھا۔اس شخص نے کہا میں غریب ہوں کافی پیسے خرچ کر کے آیا ہوں حکیم صاحب نے اسکو دو طرفہ کرایہ دیا اور فرمایا کل وقت پر آجاؤ۔بعض دفعہ لوگ قرض دوائی لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ رجسٹر میں لکھو حضرت حکیم صاحب فرماتے تھے میرے پاس رجسٹر نہیں ہے جب پیسے ہاتھ آجائیں تو لے آنا۔

طب سے کنارہ کشی:

1984ء میں دوبارہ حج کی سعادت مندی نصیب ہوئی تو واپس آکر طب سے مکمل کنارہ کشی اختیار کی۔اس وقت ان کی عمر 62 سال تھی۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے حج کے

دوران اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے۔ کہ بس باقی زندگی دین کے لیے وقف کر دوں۔ اس سفر کے بعد انہوں نے طبی دنیا کو خیر باد کہا۔ انکی جگہ ان کے فرزند ارجمند حافظ قاری سعید الرحمن صاحب نے مطب سنبھالا۔ اور آج تک وہ مطب کو اسی انداز سے چلا رہے ہیں۔ اور اپنے والد محترم کا وطیرہ لازم پکڑا ہے۔

مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض کی انجام دہی:

حضرت حکیم صاحب نے فراغت کے بعد سے لیکر آخیر عمر تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ مصروفیات کے باوجود انہوں نے مسجد سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔ مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ بھی چلاتے تھے۔ اور عشاء کو مشکوٰۃ شریف سے احادیث کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ عوام الناس کی اصلاح کے لیے متفکر رہتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا۔ کہ لوگوں کو اصلاح نفس کے لیے تبلیغ کے راستے پر ڈالا۔ اور فرماتے تھے کہ عوام کی اصلاح کے لیے موجودہ دور میں تبلیغی جماعت کے علاوہ کوئی اور موثر ذریعہ نہیں ہے۔ ان کی ترغیبات کی وجہ سے تمبولک گاؤں کے اکثر لوگوں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگایا ہے۔

بدعات ورسومات کا خاتمہ:

حضرت حکیم صاحب نے بڑی حکمت اور دانشمندی کے ساتھ اپنے علاقے کو بدعات ورسومات سے خالی کرایا۔ نہ کسی سے لڑائی کی نوبت آئی اور نہ کسی کی طرف غلط نسبت کرنے کی نوبت آئی۔ بڑی خاموشی اور نرم مزاجی کے ساتھ انہوں نے تمام بدعات کا خاتمہ کیا۔ پابندی کے ساتھ مروجہ حیلہ اسقاط ہوا کرتا تھا۔ خیرات، صدقات کی غلط رسومات ہوا کرتے تھے۔ قضاعمری، جمعہ کی رات سورہ تبارک الذی بڑھنے کا اہتمام، محراب کے بغیر باجماعت نماز ناجائز سمجھنا، رمضان کی ۲۳ ویں رات کی سورتیں پڑھنا، قعدہ کے تشہد میں انگشت شھادت اٹھانے کو برا سمجھنا۔ عید کے دن تعزیتی مجالس کا انعقاد، وغیرہ بہت سی رسومات کا ایسا خاتمہ کیا۔ کہ اب ان چیزوں کا کوئی نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔ سب لوگوں کو صحیح دیوبندی نظریہ پر قائم کر دیا۔ اگر کوئی

شخص ایسی مسجد دیکھنا چاہے جو دیوبندی افکار کا صحیح مظہر ہو تو وہ حضرت حکیم صاحب کی مسجد ہے۔

حضرت حکیم صاحب کے اخلاق:

حضرت حکیم صاحب پر حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے اخلاق کا گہرا اثر تھا۔ اس لیے انہوں نے اخلاق میں مکمل طور پر ان کی پیروی کی۔ ہر کسی سے محبت کرتے تھے۔ گالی گلوچ لعن طعن، ڈانٹ ڈپٹ سے تو نا آشنا تھے۔ ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ جو ان سے تعلق توڑتا تھا خود ان سے تعلق جوڑتے تھے۔ اس کی کئی ساری مثالیں ان کی زندگی میں پائی جاتی ہیں اس لیے اسکے گھر جا کر اس سے معافی مانگی وہ بڑا شرمندہ ہوا کہ حضرت مجھے بلا لیتے۔ ایک مقتدی کو ایک دن بہت ڈانٹا بعد میں احساس ہوا۔ اسکا جرم اتنا نہیں تھا؟

عجز و انکساری:

عجز و انکساری حضرت حکیم صاحب کی پہچان بن چکی تھی۔ سب علماء کے تاثرات میں یہ بات قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ ہر کوئی ان کی عاجزی اور انکساری سے متاثر ہوتا تھا۔ جتنے لوگ ملاقات کے لیے آتے تھے یہی تاثر لیکر جاتے تھے۔ دارالعلوم کبیر والا کے استاد الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل ارشد صاحب نے جب پہلی بار ملاقات کی تو بے حد متاثر ہوئے۔ پھر ہر سال ان کی زیارت کے لیے تشریف لاتے تھے۔ حضرت حکیم صاحب نے زندگی میں اپنے آپ کو مخفی رکھا۔ نہ انہوں نے کبھی علمیت کا دعویٰ کیا نہ عبادات میں بڑائی بیان کی بلکہ اپنے آپ سے نفی کرتے تھے۔ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتے تھے کہ مخاطب یہ سمجھ جاتا تھا کہ اس کو کچھ بھی نہیں آتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا قوی حافظہ دیا تھا کہ طالب علمی کے اسباق بھی ان کو یاد رہتے تھے مقامات کی عربی عبارات زبانی سناتے تھے۔ لیکن عام مجالس میں کبھی بھی ظاہر نہیں کرتے تھے۔

صبر و تحمل:

کسی شخص کے صبر و تحمل کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اسکو کسی بڑے حادثے کا سامنا کرنا پڑے۔ آخری عمر میں حضرت حکیم صاحب کو دو بڑے حادثات پیش آئے تھے۔ ایک

حادثہ حضرت حکیم صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے حاجی عنایت الرحمٰن صاحب کی وفات سے پیش آیا۔

حاجی عنایت الرحمٰن صاحبؒ ایک جامع الکمالات شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو ذھانت اور قوت حافظہ کی دولت بخشی تھی۔ میں ذاتی طور پر انکی ذھانت سے متاثر تھا۔ علامہ اقبال کی شاعری سے انکو دلچسپی تھی۔ بال جبریل اور بانگ درا کا اکثر حصہ زبانی سناتے تھے۔ اور مشکل ترین شعری تشریح مختصر اور مدلل انداز سے سمجھاتے تھے۔ میں جب کالج میں پڑھتا تھا۔ تو بعض مشکل اشعار جو کبھی کبھار کلاس میں سمجھ نہیں آتے تھے، ان سے پوچھتے تھے۔ بہت آسان انداز سے سمجھاتے تھے۔ شرح وقایہ تک کتابیں انہوں نے والد محترم سے پڑھی تھیں اور یہ ارادہ تھا کہ جب فنون مکمل کروں تو شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحب سے دورہ حدیث میں شرکت کی اجازت لوں گا۔ تبلیغی جماعت سے انکا تعلق رہا علماء سے بہت محبت کرتے تھے۔ انکا میڈیکل سٹور علماء کی بیٹھک ہوا کرتی تھی۔ گپ شپ کے لیے جمع ہوتے تھے۔ جب ایبٹ آباد منتقل ہوئے۔ وہاں بھی میڈیکل سٹور پر قرب وجوار کے، علماء جمع ہوتے تھے۔ یتیم بچوں کو مفت دوائی دیتے تھے۔ اور مجھ سے کہا تھا۔ کہ آئندہ سال حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے مشورہ سے انکی سرپرستی میں العصر ٹرسٹ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے تمام اخراجات میں خود برداشت کرونگا۔ اس میں یتیم بچوں کا علاج معالجہ مفت کرایا جائیگا۔ اس کے لیے بنیادی شرط یہ ہوگی کہ یتیم کے پاس اپنی مسجد کے امام صاحب کا تصدیق نامہ ہوگا۔ اسمیں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہم دھوکہ سے بچ جائیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ لوگ اپنے امام صاحب کے محتاج ہونگے۔ اور انکی قدر کریں گے۔ لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو کر ۴۸ سال کی عمر میں ۱۱ نومبر ۱۹۹۹ء کو دار بقاء کیطرف انتقال کر گئے۔

دوسرا بڑا حادثہ حضرت حکیم صاحبؒ کی زوجہ محترمہ کی اچانک موت سے پیش آیا مرحومہ بڑی حساس تھی۔ جب انکے لخت جگر حاجی عنایت الرحمٰن صاحب کی حالت نازک ہوگئی۔ اور انکے بچے ایبٹ

آباد سے آئے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت جب بچوں پر انکی نظر پڑ گئی۔ تو انکو دل کا دورہ پڑ گیا۔ ہسپتال پہنچادی گئی۔ افاقہ ہوگیا۔ لیکن دوسرے دن جب فجر نماز کی تیار کررہی تھی عین اسی وقت خطرناک دورہ پڑا اور ۳۰ ستمبر کو انتقال کر گئی۔

ان پے در پے حادثات نے پورے خاندان کی کمر توڑ دی لیکن حضرت حکیم صاحبؒ نے صبر وتحمل سے انکو برداشت کیا۔ ہم نے کبھی انکو مجلس میں روتے نہیں دیکھا تا کہ اھل خانہ پریشان نہ ہوں اندر ہی اندر غم کھاجاتے تھے۔ کبھی زبان پر بھی نہیں لائے تھے۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق:

تبلیغی جماعت کے ساتھ ان کا تعلق سہارنپور میں قائم ہوا تھا اور طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے نظام الدین مرکز میں ایک ہفتہ گزارا تھا۔ اس لیے ان پر تبلیغ کا اثر آخری لمحات تک برقرار رہا۔ جب مردان میں مولانا احسان اللہ باچا صاحب نے تبلیغ کی محنت شروع کی تو حضرت حکیم صاحب نے مقامی طور پر ان کے ساتھ بھرپور حصہ لیا۔ وہ حضرت حکیم صاحب کے بڑے بے تکلف دوست تھے۔ وہ گشت اور دوسرے اعمال کے لیے تمبولک آتے تھے۔ حضرت حکیم صاحب ان کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اور گاؤں والوں کو بھی شرکت کی ترغیب دیتے تھے۔ اس لیے مولانا احسان اللہ صاحب یہاں آکر بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ پھر حضرت حکیم صاحب چلہ کے لیے بھی چلے گئے۔ مقامی طور پر حضرت حکیم صاحب وقتاً فوقتاً اس کام میں حصہ لیتے تھے۔ لیکن باضابطہ اوقات انہوں نے 1987ء سے لگانا شروع کئے۔ جب ان کا فرزند ارجمند انجینئر حبیب الرحمن صاحب تین چلوں کے لیے چلے گئے اور واپس آکر ان کی زندگی بدل گئی اور اس کی وجہ سے پورے ماحول میں تبدیلی آگئی تو حضرت حکیم صاحب بھی سال کے لیے چلے گئے۔ اس سے پہلے حضرت مولانا احسان اللہ صاحب حضرت حکیم صاحب سے مذاق کیا کرتے تھے کہ تمہاری مثال ترمٹی کی ہے۔ کہ اس میں پتھر پھنس جاتا ہے لیکن اپنی جگہ سے ہلتا نہیں۔ جب حبیب الرحمن صاحب نے وقت لگایا تو حضرت حکیم صاحب نے حضرت

باچا صاحب سے فرمایا کہ آپ نے کہا تھا کہ تیری مثال مٹی کی طرح ہے دیکھو مٹی میں تو پھول لگتا ہے نا۔ اب کیسا پھول لگ گیا وہ خوب ہنسے سال لگانے کے بعد وہ مکمل طور پر تبلیغی جماعت سے منسلک ہوگئے ۔ مردان مرکز کے ساتھ ان کا رابطہ رہتا تھا۔ مردان مرکز کے ذمہ دار حضرت مولانا حبیب الحق صاحب جب کسی سفر سے واپس آتے تو حضرت حکیم صاحب کے پاس ضرور تشریف لاتے ۔ حضرت حکیم صاحب بھی ان کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔ مردان مرکز کے شب جمعہ میں حضرت حکیم صاحب کے بیانات بھی ہوتے تھے۔ لوگوں پر ان کے بیانات کا خاص اثر ہوا کرتا تھا۔ آخری دفعہ بنگلہ دیش کا سفر کیا تھا اس کے بعد ان کی صحت کمزور ہوئی۔ شوگر بلڈ پریشر اور دل کے امراض میں مبتلا ہوگئے ۔ جس کی وجہ سے مزید تبلیغی اسفار نہیں کر سکے۔ حضرت مولانا احسان اللہ باچا صاحب کی وفات کے بعد مولانا حبیب الحق صاحب نے ان سے درخواست کی کہ ان کی جگہ آپ آیا کریں ہماری سرپرستی فرمائیں لیکن حضرت حکیم صاحب کافی کمزور ہوگئے تھے ۔ اس لیے انہوں نے معذرت پیش کی کہ مستقل آنا مشکل ہے۔ مقامی طور پر گاؤں میں تبلیغ والوں کے ساتھ اعمال میں حصہ لیتے تھے ۔ اور نماز مغرب کے بعد مستقل ان کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔ انہوں نے تبلیغ والوں سے کہا تھا کہ گاؤں میں کوئی بھی شخص بے نمازی نہ رہے ۔ اور جس شخص سے ملاقات آپ کی دسترس سے باہر ہو تو مجھے بتایا کریں میں خود اس کے پاس جاؤں گا۔ چنانچہ جو شخص مسجد نہیں آتا تھا تبلیغ والے اس سے کہتے تھے کہ اگر آپ نہیں آتے تو مولانا صاحب خود ملاقات کے لیے آئیں گے ۔ یہ سن کر وہ شخص خود بخود آجاتا اور ان سے مل جاتا تھا۔ حضرت حکیم صاحب اس کو بڑی محبت سے نصیحت فرماتے تھے جس کی وجہ سے وہ شخص نمازی بن جاتا تھا۔

تبلیغی جماعتوں کی نصرت:

جو جماعتیں آجاتی تھیں حضرت حکیم صاحب بڑی محبت کے ساتھ ان سے ملتے تھے۔ اور باقاعدہ وقت دیتے تھے ان کے بیانات میں شریک ہوتے تھے ۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جو

جماعت باہر سے آتی جتنے دن ان کا قیام ہوتا حضرت کی طرف سے ان کوظہرانے کی دعوت ہوتی تھی۔ان کو اپنا کھانا خود تیار کرنے نہیں دیتے تھے۔عشاء کا کھانا اور صبح کا ناشتہ گاؤں والے اجتماعی لاتے تھے۔اس وجہ سے ان اوقات میں دعوت نہیں دیتے تھے۔مردان مرکز والے اکثر بیرون ممالک اور خاص کر عرب کی جماعتیں بھیجتے تھے۔عرب جب ان سے ملاقات کرتے تھے تو ان کے شیدائی بن جاتے تھے۔حضرت حکیم صاحب انکو اکابرین کے واقعات سناتے تھے وہ بڑے خوش ہوتے تھے اور اپنے ساتھ لکھ لیتے تھے۔

رائیونڈ کے اکابرین سے تعلق:

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ جب مردان مرکز تشریف لائے تو حضرت حکیم صاحبؒ نے انکے ساتھ تنہائی میں ملاقات آدھا گھنٹہ دونوں تشریف فرما تھے۔حضرت حکیم صاحب نے انکو اپنے اساتذہ اور طالب علمی کے واقعات سنائے حضرت حکیم صاحبؒ حضرت مولانا سعید خان صاحبؒ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا میرے اور آپکے اساتذہ تو ایک ہیں۔ پھر انہوں نے بڑی محبت کا اظہار فرمایا۔رائیونڈ میں حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب کے ساتھ جب تعارف کیا تو وہ بھی بڑے خوش ہوئے اور فرمایا آپ میرے ہم سبق ہیں، حاجی عبدالوھاب صاحب ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب کے ساتھ تعلق کی ابتداء:

حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تعلق کا تذکرہ انہوں نے خود اپنے مضمون میں بھی فرمایا ہے۔1988ء میں الیکشن مہم میں یہ حضرات تشریف لائے انکو بڑی جلدی تھی حضرت حکیم صاحب نے ماحضر سے ان کی ضیافت کی۔اس وقت تو تفصیلی گفتگو نہ ہوسکی لیکن بعد میں جب راقم الحروف نے موقوف علیہ درجہ میں دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لینے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت حکیم صاحب بذات خود میرے ساتھ حقانیہ تشریف لائے۔مولانا حکیم محمد صادق صاحب جو حضرت حکیم صاحب کے محبین دوستوں میں سے تھے وہ بھی ساتھ تھے۔چونکہ حکیم محمد صادق صاحب کا

پہلے سے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تعلق تھا اس لیے ان کی وساطت سے حضرت مفتی صاحب سے حقانیہ میں تفصیلی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ظہرانے کی دعوت دی اس میں ہم سب شریک ہوئے۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے جب حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تفصیلی نشست کی تو ان سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر جب بھی حقانیہ تشریف آوری ہوتی تو حضرت مفتی صاحب سے ضرور ملاقات کرتے تھے۔

جامعہ عثمانیہ کی سرپرستی:

جب حضرت مفتی صاحب کی توجہات جامعہ عثمانیہ کی طرف بڑھ گئیں اور جامعہ ترقی کی راہ پر گامزن ہونے لگا۔ تو حضرت مفتی صاحب نے سرپرستی کے لیے کسی علمی روحانی اور دعا گو شخصیت کے تقرر کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے مخلص دوست حکیم محمد صادق صاحبؒ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے حضرت حکیم صاحبؒ کی سرپرستی کی تجویز پیش کی حضرت مفتی صاحب نے بھی ان سے اتفاق کیا اور شوریٰ کے اجلاس میں ان کو شرکت کی دعوت دی۔ مولانا حکیم محمد صادق صاحبؒ اور حضرت مفتی صاحب دونوں نے آ کر حضرت حکیم صاحبؒ کو شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا عین اجلاس کے دن حضرت حکیم صاحب شدید بیمار ہوئے اس لیے شرکت نہ کر سکے اسکے بعد پھر جب دوسرے اجلاس میں شرکت کی تو حضرت مفتی صاحب نے سرپرستی کے لیے حضرت حکیم صاحبؒ کا نام پیش کیا اور اراکین نے بالاتفاق انکی تائید کی۔ لیکن افسوس اس پر ہوتا تھا کہ جو شخصیت اس بارے میں متحرک تھی وہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئی تھی۔ مولانا حکیم محمد صادق صاحبؒ جو حقانیہ کے قدیم فضلاء اور حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے محبین دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور حضرت حکیم صاحبؒ کے بچپن کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور طبی میدان میں ان کے شاگرد خاص تھے۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت حکیم صاحبؒ کے تعلق بنانے میں بنیادی کردار ان کا تھا۔ وہ ٹریفک کے حادثے میں شہید ہوئے ان کی موت علمی طبقوں کیلیے اور بطور

خاص حضرت حکیم صاحب اور حضرت مفتی صاحب کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا۔ ان کی خواہش تو پوری ہوگئی لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع انہیں میسر نہیں ہوا۔

جامعہ عثمانیہ سے حضرت حکیم صاحبؒ کی محبت:

جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ان کی حد درجہ محبت تھی۔ جامعہ عثمانیہ کے نظام وانصرام سے بہت متاثر تھے۔ وہ چونکہ تکلفات اور بناوٹ سے پاک انسان تھے اس لیے ہر محفل اور مجلس میں بلا جھجک اظہار فرماتے تھے۔ جامعہ کی ہر تقریب میں شریک ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ کبھی کبھار سخت بیمار ہوتے تھے ان کو سخت تکلیف ہوتی تھی لیکن اپنی تکلیف کی پرواہ کئے بغیر اجلاس یا تقریب میں شریک ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اور آخر تک جم کر بیٹھتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے "کہ میری شرکت سے مدرسہ کو اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوتا جتنا مجھے ذاتی طور پر حاصل ہوتا ہے ورنہ جب حضرت مفتی صاحب موجود ہوں تو پھر کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ بذات خود ہر لحاظ سے کامل شخصیت ہیں۔ لیکن جامعہ کے پروگرام میں شرکت سے مجھے قلبی سکون اور روح پرور مجلس میں بیٹھنا نصیب ہوتا ہے۔ اور اس شرکت کو آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔" مدرسہ کے احوال سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے تھے۔ میں جب بھی گھر جاتا تھا تو سلام کے بعد ان کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ حضرت مفتی صاحب کیسے تھے۔ جامعہ کے فلاں فلاں کام کا کیا ہوا۔ جب وفاق کا نتیجہ نکلتا تو جاتے ہی پوچھ لیتے کہ طلباء نے پوزیشنیں لی ہیں۔ نتائج کی گریڈ کی تفصیل بھی پوچھتے۔ سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اور پھر حضرت مفتی صاحب اور جامعہ کی تعریفات میں لگ جاتے۔ اور حضرت مفتی صاحب کو فون کر کے مبارک باد دیتے۔ جب بھی جامعہ کے کسی خاص منصوبے کے متعلق حضرت مفتی صاحب دعا کے لیے فرماتے تھے اور میں حضرت مفتی صاحب کا پیغام پہنچاتا تو فرماتے کہ دارالعلوم حقانیہ میری مادر علمی ہے اور حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ میرے شیخ تھے۔ اس لیے میں جب بھی دعا کرتا ہوں تو دارالعلوم اور حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اور انکی اولاد کے لیے بطور خاص دعا کرتا رہتا ہوں۔ اور جب سے جامعہ عثمانیہ کے ساتھ تعلق قائم ہوا ہے۔ تو میری

ہر دعا میں جامعہ عثمانیہ کی ترقی کے لیےاور حضرت مفتی صاحب ان کی اولاد اور جامعہ کے اساتذہ اور طلباء کے لیے مخصوص حصہ ہوتا ہے۔اور ہر دعا میں حضرت مفتی صاحب اور ان کے رفقائے کار میرے سامنے ہوتے ہیں۔

حاجی غیاث الانام صاحب کی قربانی پر اظہار مسرت:

حاجی غیاث الانام صاحب جو حضرت حکیم صاحب کے چچازاد بھائی ہیں۔اور حضرت مفتی صاحب کے خادم خاص ہیں۔انہوں نے حلقہ جلوزئی میں چراٹ روڈ پر واقع اپنی مملوکہ جائیداد جامعہ عثمانیہ کے لیے وقف کی ہے۔جو گلشن عمر کے نام سے موسوم ہے۔جہاں چھ کنال اراضی پر مشتمل ایک خوبصورت مسجد کی پرشکوہ عمارت پر کام شروع ہے۔اور ساتھ طلباء کے لیے ایک بڑے ہاسٹل پر بھی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔یہ حاجی صاحب کا سب سے بڑا دنیاوی سرمایہ تھا۔جس کو جامعہ کے نام وقف کر کے آخرت کے دائمی سرمایہ میں تبدیل کر دیا۔جب اس بارے میں حاجی صاحب نے حضرت حکیم صاحب سے مشورہ لیا۔تو حضرت حکیم صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کو بہت دعائیں دیں۔جس مجلس میں بھی اس کا تذکرہ ہوتا تو حضرت حکیم صاحب ان کی اس قربانی کو سراہتے اور یہ بھی فرماتے کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس نے اتنی بڑی جائیداد دیدی اور اپنی مالی حالت کمزور کردی۔لیکن یہ غلط ہے۔اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیگا۔ چنانچہ اب سب دیکھ رہے۔کہ ان کی اولاد کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے فراوانی کے اسباب مہیا کئے ہیں ۔اس قربانی کی وجہ سے حضرت حکیم صاحب حاجی صاحب کا بہت احترام کرتے تھے اور ان پر رشک کرتے تھے کہ کاش یہ صدقہ جاریہ ہمارے حصے میں آتا۔حضرت حکیم صاحب نجی محفلوں میں بھی جامعہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔جب کوئی صاحب ثروت عقیدت مند ملنے کے لیے آتا تھا تو جامعہ کے تعاون کی ترغیب دیتے۔چنانچہ ان کی ترغیب سے بعض دوست احباب نے لاکھوں روپے کا تعاون کیا۔اور جو شخص جامعہ سے تعاون کیا کرتا تھا اس سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور اکثر یاد کیا کرتے تھے۔چنانچہ علاقے کا ایک دولتمند شخص دعا کے لیے حاضر ہوا حضرت حکیم

صاحب نے اس سے فرمایا کہ جامعہ عثمانیہ ہمارا مدرسہ ہے میں خود بھی مالی تعاون کی کوشش کرتا ہوں اور تم بھی اس کے ساتھ تعاون کرو۔اس وقت تو وہ شخص خاموشی سے چلا گیا۔دوسرے دن ملنے آیا اور پانچ لاکھ روپے حضرت حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کئے اور یہ بھی کہا کہ یہ زکوٰۃ نہیں ہے عطیہ ہے جہاں چاہو خرچ کرو۔حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ آپ ہمارے ساتھ مدرسہ جائیں۔پورا نظام بھی دیکھ لیں گے حضرت مفتی صاحب سے ملاقات بھی ہوگی۔اس نے کہا میرے اعتماد کے لیے یہ کافی ہے کہ آپ اس کے سرپرست اعلیٰ ہیں میں رسید بھی نہیں لوں گا۔اگر رسید کاٹنا ہے تو اپنے ہی نام کاٹ لیں۔حاجی ظرافت سیر صاحب جو حضرت حکیم صاحب کے چچازاد بھائی اور بچپن کا دوست تھا ان کے ساتھ پہلے سے ان کی بڑی محبت تھی۔لیکن جب حضرت حکیم صاحبؒ کے کہنے سے انہوں نے جامعہ کا بڑا مالی تعاون کیا۔تو پھر ان کا بہت احترام اور اکرام واعزاز کیا کرتے تھے۔شوریٰ کے اراکین میں بھی جو جامعہ کا بہت خدمت کرتا یا مالی تعاون کرتا تو حضرت حکیم صاحب اس سے بہت خوش ہوتے تھے۔اور ان حضرات کے لیے بطور خاص دعا کیا کرتے تھے۔

جب علماء ملنے کے لیے آتے تھے تو ان سے بھی جامعہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔اور حضرت مفتی صاحب کے مخلصانہ جذبے کی تعریفیں کیا کرتے تھے۔اور علماء سے فرماتے تھے کہ جامعہ کا نظم وضبط مثالی ہے اس سے استفادہ کرنا چاہئے اور اپنے مدارس میں ان کا نظام لاگو کرنا چاہئے۔

حضرت حکیم صاحب چونکہ اکثر اوقات تلاوت اور ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے اس لیے رسائل دیکھنے کی طرف ان کا رجحان بہت کم تھا۔لیکن ماھنامہ العصر کا شدت سے انتظار کیا کرتے تھے۔ جس میں حضرت مفتی صاحب کے مضامین اور جامعہ کے احوال اہتمام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی ذاکر حسن صاحب کا نام بھی العصر میں مضامین لکھنے کی وجہ سے ان کو یاد رہتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کے ساتھ عقیدت ومحبت:

حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ان کی محبت مثالی تھی ان کو بہت یاد کرتے تھے۔اور

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت واستقلال کا نمونہ بنایا ہے اور اس دور میں ایسی جامع الصفات شخصیت کا ملنا مشکل ہے۔ حضرت حکیم صاحب بناوٹ سے عاری انسان تھے وہ صرف منہ پر کسی کی تعریف نہیں کرتے تھے بلکہ جو دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر۔ حضرت مفتی صاحب کی اپنی طبیعت ایسی ہے کہ مجلس میں اپنی تعریف سننے سے ان کی طبیعت پر بوجھ آتا ہے۔ جو بھی ان کی تعریف کرے تو فوراً کہتے ہیں کہ یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ میں نے بذات خود اس کا مشاہدہ کیا کہ گیارہ سالہ رفاقت میں کبھی ان کے منہ سے ایسی کوئی بات نہیں سنی جس میں انہوں نے اپنی بڑائی بیان کی ہو۔ بلکہ جامعہ کے کسی بڑے کارنامے کو دوسروں کا مرہون منت قرار دیتے ہیں۔ ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے ہم کبھی کبھی حضرت حکیم صاحب سے عرض کرتے تھے کہ ان کے مزاج کا خیال بھی رکھا کریں۔ تو فرماتے تھے کسی کے سامنے تعریف کرنے کا میں خود بھی مخالف ہوں لیکن یہ میری قلبی مجبوری ہے۔ جب ان کا تذکرہ سامنے آتا ہے تو میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پاسکتا۔ اس لیے جو دل میں ہوتا ہے اس کو ظاہر کرتا ہوں۔

جب بھی حضرت مفتی صاحب ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور حضرت حکیم صاحب کو اطلاع ہوتی تو بہت خوش ہوتے تھے۔ اور شدت سے ان کے آنے کا انتظار کرتے تھے۔ سب گھر والوں کو اطلاع دیتے تھے۔ اور خود آرڈر دیتے تھے کہ فلاں فلاں چیز تیار کرو۔ حضرت مفتی صاحب تشریف لانے سے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ میں نے بذات خود کبھی بھی کسی کی آمد پر اتنی خوشی گھر میں نہیں دیکھی جو خوشی حضرت مفتی صاحب کی آمد کے موقع پر دیکھنے میں آئی۔ انہوں نے سب کے دلوں میں حضرت مفتی صاحب کی عظمت بٹھائی تھی الحمدللہ ہمارے گھر کے ہر فرد کا دل اب بھی حضرت مفتی صاحب کی عقیدت سے بھرا پڑا ہے۔ اور اس کو آخرت کی نجات کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

حضرت حکیم صاحب کے ساتھ جب کوئی شخص بھی اچھائی کرتا تو زندگی بھر اس کو یاد کرتے تھے۔ اور یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس شخص کو اس کی اچھائی کا صلہ ملے یا کم از کم

حوصلہ افزائی ہو جائے۔اس حوالے سے حضرت مفتی صاحب کے احسانات کا تذکرہ کثرت سے کرتے تھے۔اور میری تدریس کے بارے میں اکثر فرماتے تھے کہ دیکھو حضرت مفتی صاحب نے ہم پر کتنا بڑا احسان کیا۔اور یہ کہ خود ہمارے گھر تشریف لائے اور اپنی طرف سے پیش کش کی کہ نجم الرحمن میرے ساتھ ہوگا۔اور ہم دونوں ملکر مدرسہ چلائیں گے۔کتنے پیارے انداز میں انہوں نے اپنی محبت کا اظہار فرمایا ان کے اس احسان کا بدلہ ہمارے دائرہ اختیار میں نہیں۔وہ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔پھر جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت مفتی صاحب کی خصوصی توجہات مجھے نصیب ہوئیں اور تفسیر جلالین اور احادیث کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تو بے حد خوش ہوئے اور بے اختیار دعائیں دینے لگیں ۔ اور جس سال حضرت مفتی صاحب ،حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور حضرت مولانا تحمید اللہ جان صاحب سب حضرات حج کے لیے تشریف لے گئے۔تو دورہ حدیث کے طلباء کو مشغول رکھنے کیلیے حضرت مفتی صاحب نے بخاری جلد دوم کا کچھ حصہ چند دن پڑھانے کے لیے میرے ذمہ لگا دیا۔حضرت حکیم صاحب کو اطلاع ملی تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی اور فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگا تھا۔اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا۔اب اس دنیا میں میری کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔

مجھے پورا یقین ہے کہ میری تدریسی ترقی میرے والد محترم کی خصوصی دعاؤں اور حضرت مفتی صاحب کی خصوصی توجہ کی مرہون منت ہے ورنہ کہاں میں اور کہاں عثمانیہ کی تدریس۔من آنم کہ من دانم

حضرت مفتی صاحب کی عبادات اور اللہ کے حضور آہ وزاری کا ان پر بڑا اثر تھا۔اس لیے فرماتے تھے کہ جس مجلس میں حضرت مفتی صاحب موجود ہوں تو وہ خود دعا فرمایا کریں ۔ مجھے ان کی دعا بہت اچھی لگتی ہے۔اور میں خود ہر مجلس میں اس نیت سے حاضر ہوتا ہوں کہ ان کی دعا میں شریک ہو جاؤں کیونکہ ان کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔

جب 2000ء رمضان المبارک میں عمرہ کے سفر پر چلے۔تو مدینہ منورہ میں حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی۔جو ہر سال اعتکاف کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ہم نے دیکھا حضرت

مفتی صاحب وہاں شب وروز ذکر وعبادت میں مشغول رہتے تھے کسی سے ملنا بھی زیادہ گوارانہیں کرتے تھے۔ان کی کیفیت دیکھ کر حضرت حکیم صاحب نے فرمایا جو کچھ حضرت مفتی صاحب کر رہے ہیں یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ہم اتنی عبادت نہیں کر سکتے۔اور فرمایا کہ میں نے حضرت مفتی صاحب کو بہت قریب سے دیکھا اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت کا بڑا درجہ عطاء فرمایا ہے ان سے ہر وقت دعا لینی چاہئے۔

جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ اور طلباء سے محبت:

جامعہ کے اساتذہ کی بھی بہت قدر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے مخلصین رفقائے کار عطاء فرمائے ہیں۔اور فرماتے تھے میں جامعہ کے اساتذہ کے لیے ضرور دعا کرتا ہوں۔ان پر حضرت مفتی صاحب کے اخلاص اور محبت کا اثر پایا جاتا ہے۔
حضرت حکیم صاحب کو بہت کم کسی کا نام یاد رہتا تھا۔اس لیے شکل وصورت اور علامات سے اساتذہ کو جانتے تھے لیکن نام سے کم جانتے تھے۔میں جب گھر جاتا تھا تو اساتذہ کے متعلق بھی پوچھتے تھے۔خاصکر جو اساتذہ کسی دعا کے لیے پیغام بھیجتے تھے تو ان کا ضرور پوچھتے تھے۔اکثر حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن صاحب کے بارے میں پوچھتے تھے۔کیونکہ یہ کثرت سے آتے تھے۔اور یہ بھی پوچھتے تھے کہ وہ اسلامی بنک کے شریعہ ایڈوائزر بن گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تدریس سے بالکل کٹ جائیں۔میں عرض کرتا تھا۔کہ مدرسہ میں بھی پڑھانے آتے ہیں۔پھر چلے جاتے ہیں تو فرماتے تھے کہ ان سے کہو کہ جامعہ عثمانیہ کی تدریس کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑے رکھو۔
حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی انتظامی صلاحیتوں سے متاثر تھے۔اور فرماتے تھے۔ان کی نظامت میں مجھے مظاہر العلوم سہارنپور کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب کی جھلک نظر آتی ہے۔ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ کرام علاقائی ناموں سے پہچانتے تھے۔جامعہ عثمانیہ کے طلباء ان کو بہت اچھے لگتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان طلباء پر تقویٰ کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔جب جامعہ آتے تھے تو طلباء ان کے اردگرد جمع ہو جاتے۔حضرت حکیم صاحب بڑی محبت

کے ساتھ ان سے گفتگو فرماتے تھے اور اکثر اکابرین کے واقعات سناتے۔ ایک دفعہ دورہ حدیث کے طلباء نے اجازت لی اجازت طلب کی تو حضرت حکیم صاحب نے بخاری کی ایک حدیث کا درس دیا اور اجازت مرحمت فرمائی۔ جب جامعہ عثمانیہ کے طلباء ملنے کے لیے گاؤں آتے تھے تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ اگر باہر نکلنے کی طاقت نہ ہوتی تو فرماتے تھے کہ گھر لے آؤ میں یہاں ان سے ملوں گا۔ جب ان کے کمرہ میں آتے تھے تو فرماتے تھے کہ ان کی مہمان نوازی میرے سامنے کرنا کہ میں خود دیکھ سکوں۔ جامعہ عثمانیہ اور اسکے اساتذہ وطلباء کے متعلق وہ اپنے جو تاثرات مدرسہ کی تقریبات میں پیش کرتے تھے یہی تاثرات نجی محفلوں میں بھی سناتے تھے۔

جامعہ کی تقریب میں آخری شرکت:

حضرت حکیم صاحب صحت کی کمزوری کے باوجود جامعہ کی تقریبات میں شریک ہوتے تھے۔ معمولی درجے میں بھی جب ان کو یقین ہوتا کہ مجلس کے آخر تک بیٹھ سکتے ہیں۔ تو ضرور شرکت فرماتے تھے۔ آخری دفعہ ان کی تشریف آوری جامعہ عثمانیہ کی شاخ گلشن عمر میں ایک بڑے ہاسٹل کے سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں ہوئی۔ اس دن بھی سخت مریض تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ میں اتنا شدید درد چلتا تھا کہ ہاتھ ہلا بھی نہیں سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اختتامی دعا میں بھی ہاتھ اٹھا نہ سکے۔ سنگ بنیاد رکھنے کی وہ تقریب بڑی رقت آمیز اور پرنور تھی۔ حضرت حکیم صاحب اختتامی دعا میں خوب روئے پوری مجلس پر رونے کی کیفیت طاری تھی۔ پھر انہوں نے سنگ بنیاد رکھا۔ تکلیف کی وجہ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکے اور فوراً واپس چلے گئے۔ ان کے خادم خاص فرزند ارجمند حاجی مسعود الرحمن صاحب بتارہے تھے کہ واپسی میں پورے راستے پر یہی فرماتے رہے کہ عثمانیہ والے مجھ سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بڑی شخصیت ہے حالانکہ مجھے اپنے بارے میں خوب معلوم ہے۔ تقریباً ہر دفعہ جب پروگرام سے واپس ہوکر گھر پہنچتے تھے تو فرماتے تھے کہ جب طلباء کا ہجوم میری طرف مصافحہ کے لیے بڑھتا ہے تو میں دل میں کہتا ہوں یہ بیچارے مجھ سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ مجھے ولی اللہ سمجھ کر مصافحہ کرتے ہیں حالانکہ یہ خود اولیاء اللہ ہیں۔ جو دین

کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

شوریٰ کے آخری اجلاس میں عدم شرکت:

ہر دفعہ جامعہ کے سالانہ شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوتے تھے اور اجلاس کی صدارت سنبھالتے تھے۔ لیکن پچھلے سال تعلیمی سال نمبر ۱۴ کے شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ اس دن مرض نے شدت اختیار کی۔ رات سے تیاری کی تھی کہ صحت نے معمولی اجازت دیدی تو ضرور شرکت کروں گا۔ اگر چہ تھوڑے وقت کے لیے کیوں نہ ہو۔ خدام نے تیاری کر لی گاڑی انتظار میں کھڑی رہی۔ لیکن نماز فجر پڑھنے کے بعد ان کی طبعیت بگڑ گئی اور اتنی خراب ہوگئی۔ کہ ان پر غشی طاری ہونے لگی۔ گھر والے بہت پریشان ہوئے حالت اتنی خراب ہوئی کہ ان کی اولاد کو بھی اطلاع دی گئی سب جمع ہو گئے۔ یہاں حضرت مفتی صاحب اور اراکین شوریٰ منتظر تھے لیکن انہوں نے اطلاع دیدی کہ حضرت حکیم صاحب کے آنے کی اب کوئی امید نہیں ہے۔ تو اجلاس جاری رہا اور اسی اجلاس میں حضرت حکیم صاحب کے تاحیات سرپرست اعلیٰ قرار دیے جانے پر اتفاق ہوا۔ اجلاس کے دوسرے دن جب میں گھر چلا گیا تو صحت کچھ بہتر ہوگئی تھی۔ اجلاس کے احوال پوچھے اور اپنی عدم شرکت پر بڑا افسوس ظاہر کیا۔ اور پھر فرمایا" کہ حضرت مفتی صاحب سے عرض کرو کہ بس اب آئندہ میں شریک نہیں ہو سکوں گا یہ میری زندگی کا آخری اجلاس تھا۔ جسمیں میں شریک نہ ہو سکا" اور ہوا بھی اسی طرح۔

حج کے اسفار:

حضرت حکیم صاحبؒ نے تین دفعہ حج کا سفر کیا۔ پہلی دفعہ ۱۹۵۷ء میں دوسری دفعہ ۱۹۸۴ء میں اور آخری مرتبہ ۲۰۰۰ء میں کیا۔ آخری دو سفر تو جہاز کے ذریعے ہوئے۔ جبکہ پہلا سفر بس کے ذریعے قافلے کے ساتھ ہوا۔

اس وقت بحری جہاز کے ذریعے بھی سفر ہوا کرتا تھا۔ لیکن حضرت حکیم صاحبؒ نے بس کے ذریعے

سفر کو ترجیح اس لیے دیدی کہ اس میں مقدس مقامات اور صحابہ کرام اور تابعین کے مزارات پر حاضری بھی نصیب ہوتی تھی۔اس سفر میں انکو بڑے روح پرور مناظر دیکھنے کو ملے۔خاص کر صحابہ وتابعین اور دیگر بزرگان دین کے مزارات کے پر کیف نظارے دیکھنے کو ملے خصوصا بغداد میں تین دن کا قیام بہت قیمتی تھا۔کیونکہ اکثر مقدس مقامات وہاں دیکھنے کو ملے جن میں صحابہ کرامؓ اور بزرگ ہستیوں کے مزار پر حاضری نصیب ہوئی تھی۔ان کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت انس بن مالکؓ کے مزارات دیکھے نجف اشرف میں حضرت علیؓ کربلا میں حضرت حسینؓ کے مزارات پر حاضری دی۔مقبرہ جنید میں حضرت یوشع علیہ السلام انکے مزار کے قریب خلیفہ ہارون الرشید کی قبر تھی ۔اسی مقبرہ میں حضرت بہلول دانا کا مزار بھی تھا۔آخر میں جنید بغدادی کے مقبرہ کرخیؒ میں امام کرخیؒ کے مزار پر گئے ۔اس کے ساتھ ملکہ زبیدہ کی قبر بھی تھی۔اور ایک کنواں تھا لوگ سیڑھیوں سے کنویں میں نیچے اتر کر پانی پیتے تھے۔اسکے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر حاضری دی انکے قریب سید عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار تھا۔اس مزار میں سوات کا ایک خادم تھا،اس نے ہماری بڑی مہمان نوازی کی۔

وہاں سے فارغ ہوکر کاظمین چلے گئے۔جہاں امام ابویوسفؒ کا مزار تھا۔اور ساتھ انکے امام کاظم اور امام تقیؒ کے مزارات بھی تھے۔ان مزارات سے تھوڑے سے فاصلے پر بشر حافیؒ اور منصور حلاجؒ کے مزارات واقع تھے۔ان کے قریب ہارون الرشید صاحبؒ کی قبر بھی تھی۔ان حضرات کے مزارات دیکھنے کے بعد حج چلے گئے ۔فرمایا آخر میں مدینہ منورہ میں روضہ اقدس حاضر ہوئے۔روضہ مبارکہ کے خدام میں سے ہر ایک خادم کے ساتھ ہمارا تعلق بنا جو سوات بونیر کے رہنے والے تھے۔ہم نے ان کو انگور تحفہ میں دینا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا اور فرمایا ہم حضورﷺ کے روضہ پاک کے پاس رہتے ہیں اس لیے خوراک کم کرتے ہیں تاکہ بے ادبی نہ ہو۔وہ جید عالم تھے انہوں نے ہمیں کچھ تبرکات بھی دیئے جو مولانا دوست محمد صاحب کے پاس محفوظ رہے پھر ہماری واپسی اسی راستے سے ہوئی۔مقدس مقامات میں حاضری دینے کے اعتبار سے یہ

بہت قیمتی سفر تھا۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی فراست :

اللہ تعالیٰ نے ان کو فراست کی دولت سے نواز تھا جب کسی پر گہری نظر ڈالتے اور اس کے متعلق جورائے قائم کرتے وہ درست ثابت ہوتی تھی۔ مسجد میں پڑھنے والے بعض بچوں کے متعلق فرماتے تھے۔ کہ اس بچے میں صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ سلیم الطبع ہے وہ اسی طرح ثابت ہوتا چنانچہ مولانا امیر سید صاحبؒ جب چھوٹا بچہ تھا سکول پڑھ رہا تھا تو حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ اس بچے میں اہلیت موجود ہے اگر اس پر محنت ہو جائے تو جید عالم دین بن سکتا ہے انہوں نے اس کی طرف خصوصی توجہ کی۔ الحمدللہ اس نے حفظ بھی کیا حقانیہ سے فراغت کے بعد تخصص بھی کیا اور اب جید مدرس ہیں۔ ہمارا ایک قریبی دوست ڈاکٹر ظاہر شاہ صاحب جو خیبر ہسپتال میں بڑی پوسٹ پر فائز ہیں۔ اکثر یہ واقعہ سناتے ہیں کہ میرا بیٹا عماد بچپن میں اکثر مسجد میں بیٹھا رہتا تھا۔ گھر والے اس کو تنگ کرتے تھے۔ کیونکہ گھر کا ماحول اس طرح نہیں تھا جب حضرت حکیم صاحبؒ حیات آباد تشریف لائے اور انہوں نے میرا بچہ دیکھا۔ تو فرمایا اس کو تنگ نہ کرو یہ پیدائشی ولی ہے اس بات کا ہم پر بہت اثر ہوا۔ پھر ہم نے اس کو اپنے حال پر چھوڑا۔ اس نے سکول کی تعلیم بھی مکمل کر لی اور حفظ بھی کیا اور اب میڈیکل کالج میں پڑھ رہا ہے۔ تبلیغ کے ساتھ اس کا گہرا تعلق بنا اس بچے کی وجہ سے ہمارے پورے گھر کا ماحول تبدیل ہوا۔ اور گھر برکات سے بھر گیا۔ اس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب اور اس کی زوجہ محترمہ دونوں دعوت کی محنت میں ہمہ وقت سرگرم رہتے ہیں۔ اس بچے نے گھر کی کایا پلٹ دی۔

دنیا سے بے رغبتی:

حضرت حکیم صاحبؒ کے دل کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی محبت سے صاف رکھا تھا۔ طب کو بھی انہوں نے پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا اس لیے انہوں نے کوئی سرمایہ جمع نہیں کیا اگر وہ چاہتے تو کروڑوں کا مالک بن سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے مطب میں لوگوں کا جم غفیر [illegible]

مناسبت سے ان کے پاس بہت کم سرمایہ تھا۔ یہ بے رغبتی کی واضح دلیل ہے کہ باسٹھ (۶۲) سال کی عمر میں جب قاری سعید الرحمٰن صاحب دواخانہ چلانے کے اہل ہوئے اور اس پر مکمل اعتماد حاصل ہوا تو طبی دنیا کو خیر باد کہا مطب کی طرف جانا ہی چھوڑ دیا حالانکہ اس وقت بالکل صحت مند تھے تقریباً تئیس سال سے تارک الدنیا تھے۔۔اپنی عبادات اور مطالعہ کی طرف متوجہ رہے سارا دن مسجد میں رہتے تھے۔ مسجد میں موجود طلباء کو مختلف کتابیں پڑھاتے تھے۔ بعض طلباء باہر سے بھی آتے تھے۔ ہم نے کبھی ان سے پیسے کمانے کی ترغیب نہیں سنی بلکہ یہی فرماتے تھے زیادہ دولت جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بس اتنی دولت کافی ہے جس سے انسان کی تمام ضروریات پوری ہوسکیں۔ اور دوسروں کے احتیاج سے محفوظ رہے۔ دولت مند لوگوں سے استغناء اختیار کرتے تھے۔ بڑی بڑی پیشکشوں کو ٹھکراتے تھے۔

ایک دفعہ ایک سرمایہ دار دوست ملاقات کے لیے آئے۔ جاتے وقت حضرت حکیم صاحبؒ کے فرزند ارجمند حاجی مسعود الرحمٰن صاحب سے کہا کہ میری طرف سے حضرت حکیم صاحبؒ کو عاجزانہ درخواست پیش کریں۔ میں اپنی نئی گاڑی ان کو تحفہ میں دینا چاہتا ہوں ان سے عرض کردیں کہ قبول فرمالیں۔ مسعود صاحب نے بتایا ان کے پاس اپنی گاڑی موجود ہے۔ دوسری گاڑی کی ضرورت نہیں۔ اس نے بڑی منت سماجت کی کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ لیکن میں سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے معذرت پیش کی۔ پھر اس شخص نے مسعود صاحب سے کہا کہ اچھا میرے ساتھ وعدہ کرو کہ جب بھی آپ کا سفر پر جانا ہو۔ تو میری گاڑی استعمال کریں۔ حضرت حکیم صاحب نے اسکو دعاؤں کیساتھ رخصت کیا۔ اور فرمایا میری بڑی خوشی یہ ہے کہ آپ جامعہ عثمانیہ سے تعاون کریں۔ وہ کام بھی اس نے کیا۔

جس سال میں حضرت حکیم صاحب کے ساتھ سفر حج میں شریک تھا تو ایک دفعہ وہ طواف کررہے تھے۔ طواف کے دوران ایک عربی شیخ حضرت حکیم صاحبؒ کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے۔

انکا بوسہ لیا اور پھر سعودی ریالوں کا ایک بنڈل نکالا اور حضرت حکیم صاحبؒ کو پیش کیا۔لیکن حضرت نے قبول نہیں کیا۔اور فرمایا مجھے کوئی حاجت نہیں ہے۔کسی حاجت مند شخص کو دیدو اس نے بہت اصرار کیا لیکن حضرت حکیم صاحبؒ نے واپس کر دیئے۔اپنے علاقے میں عقیدت مند لوگ ملنے آتے تھے۔وہ جب بھی پیسے دینے کی کوشش کرتے تھے۔تو حضرت منع فرماتے تھے۔بلکہ اکثر اوقات جب علماء وصلحاء ملنے کے لیے آتے تھے۔تو انکو دیتے تھے۔انہوں نے اپنی اولاد کا ذہن بھی اس طرح بنایا۔انکو بھی دنیاوی لالچ اور حرص سے محفوظ رکھا۔اس تربیت کا یہ اثر ہے کہ میں نے پوری زندگی میں بھائیوں کا آپس میں دنیاوی معاملات میں کبھی کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں دیکھا۔بلکہ آج تک سب کے کاروبار مشترک چل رہے ہیں۔اور ہر ایک میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ دوسرے کے پاس زیادہ ہونا چاہیئے۔اور اولاد کے ذہن میں ہمیشہ یہ بٹھاتے تھے۔کہ دین کو اپنانا چاہیئے۔دنیاوی دولت ضرورت کے درجے میں ہونی چاہیئے۔

عبادت کی حالت:

ذکر وعبادت حضرت حکیم صاحبؒ کا مزاج بن گیا تھا۔اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے۔تہجد کی نماز تو غذا بن چکی تھی۔وہ رات کا آخری پہر عبادت میں گزارتے تھے۔سردی گرمی دونوں موسموں میں ڈھائی بجے اٹھنے کا معمول تھا۔سفر وحضر اور بیماری وصحت ہر حال میں ان معمولات کے پابند تھے۔رات کو خوب روتے تھے۔لیکن انکی عادت یہ تھی۔جب بھی کوئی پاس موجود ہوتا تھا۔تو رونا ضبط کرتے تھے۔بڑے حادثات میں بھی ہم نے انکو روتے ہوئے بہت کم دیکھا ہے۔تنہائی میں خوب روتے تھے۔نماز میں اللہ تعالیٰ نے خشوع وخضوع کی نعمت سے نوازا تھا۔کبھی کبھی تو استغراقی کیفیت ہوتی تھی۔صحت معمولی بھی اجازت دیتی تو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔آخیر عمر میں جب ظہر کی نماز کے لیے جاتے تھے۔تو عشاء کی نماز تک مسجد میں رہتے۔عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔

ذکر وفکر کی کیفیت:

ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے۔ معمولی تنہائی بھی نصیب ہوجاتی تو فوراً ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔ چونکہ حضرت حکیم صاحبؒ ہمیشہ اپنی حالت مخفی رکھتے تھے۔ اپنی حالت وکیفیت بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکا کہ ابتداءً انہوں نے کس سے بیعت کی تھی۔ لیکن آخر میں جب فقیہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب سے ملاقات کی تو ان سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور فرمایا کہ روحانیت میں انکو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔ اس لیے آپ نے بیعت کی خواہش ظاہر کی تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے۔ آپ تو ہمارے بزرگ ہیں۔ لیکن حضرت حکیم صاحب کے اصرار پر انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کردی۔ اور حضرت حکیم صاحب نے ان کے بتائے ہوئے اسباق پڑھنا شروع کردیے۔ اور تیسری ملاقات میں حضرت مفتی صاحب نے انکو خلافت سے نوازا جب حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ کو اجازت ہے تو حضرت حکیم صاحبؒ خوب روئے۔ ہم نے کبھی انکو اس طرح ہچکیوں کے ساتھ روتے نہیں دیکھا۔ اور فرمایا کہ حضرت یہ آپ کا حسن ظن ہے میں اس کا اہل نہیں ہوں حضرت حکیم صاحبؒ جب مراقبہ کرتے تھے۔ تو ان پر استغراقی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور مجلس میں لوگوں کی آمدرفت سے بھی بے خبر رہتے تھے۔ کوئی آجاتا تھا تو انکو پتہ نہیں چلتا۔ ایک دفعہ مسعود صاحب نے پوچھا کہ لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ کو پتہ نہیں چلتا۔ تو فرمایا۔ مراقبہ میں میری کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ میں بے خبر رہتا ہوں۔ اور پھر فرمایا کہ سر کے بالوں سے لیکر میرا پورا جسم ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ مجھے کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ گویا حضرت حکیم صاحب مراقبہ سے مشاہدہ کے عالم میں آجاتے تھے لیکن سب کچھ ضبط کرتے تھے۔

تلاوت کی حالت:

حضرت حکیم صاحب اہتمام کے ساتھ دن کے اکثر حصے میں تلاوت کرتے

تھے۔اور بیان القرآن میں تلاوت کرتے تھے۔قرآن پاک کا ختم دو طریقوں سے کیا کرتے تھے ایک طریقہ کے مطابق صرف تلاوت ہوتی تھی۔اور معانی پر نظر رہتی تھی۔اس طرح جلدی ختم کرتے تھے۔دوسرا طریقہ یہ تھا بالاستیعاب پورے بیان القرآن کا مطالعہ کرتے تھے۔اور تفسیر کے ساتھ ختم کرتے تھے۔انہوں نے دونوں طریقوں کے لیے اوقات مخصوص کیے تھے۔ آخر میں جب کمزور ہوئے تو پھر تفسیر عثمانی کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے تھے۔انکو قرآن پاک کی تفسیر اور مفہوم اچھی طرح یاد تھا۔جب تنہائی میں تلاوت کرتے تھے۔تو خوب روتے تھے۔ایک دفعہ اپنے کمرے میں تنہائی میں تلاوت کر رہے تھے۔تو زور سے رونے لگے۔گھر والے رونے کی آواز سن کر پریشان ہوئے کہ کیا معاملہ پیش آیا۔انہوں نے فوراً مسعود صاحب کو اطلاع دی۔وہ جلدی آئے اور دیکھا کہ رو رہے ہیں۔انہوں پوچھا کہ کیا ہوا گھر والے پریشان ہیں۔آپ کو کوئی تکلیف پیش آئی ہے؟ انہوں نے فرمایا کچھ بھی نہیں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا و اس لیے اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا۔جب تلاوت سنتے تو بھی روتے تھے۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارتیں:

حضور ﷺ کے عشق و محبت سے سرشار تھے۔درود شریف کثرت سے پڑھا کرتے تھے عام مجالس میں بھی جب گفتگو کے دوران خاموشی طاری ہوجاتی تو ﷺ پڑھتے تھے۔اکثر لبید سرحد مشہور شاعر مولانا عبداللہ صاحب نوشہروی اور عاشق رسول حاجی محمد امین صاحب کے پرسوز نعتیہ کلام سنتے تھے۔اور آبدیدہ ہوجاتے تھے۔اس لیے انکو حضور ﷺ کی تفصیلی زیارتیں نصیب ہوتی تھیں۔کبھی کبھار بیان فرماتے تھے۔جب بھی صبح انکے چہرے پر خوشی کے آثار محسوس کرتے تھے۔تو ہم ان سے پوچھتے تھے۔پھر تفصیل بیان فرماتے تھے۔ہمارے گھر میں یا گاؤں میں جس کسی کو بھی۔حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ان میں حضرت حکیم صاحبؒ کو ضرور حضور ﷺ کی مجلس میں دیکھا ہے۔

تبلیغ میں نکلنے کے متعلق حضورﷺ کا ارشاد:

حضرت حکیم صاحب خواب دیکھنے سے قبل بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک تھے۔ایک دفعہ شب جمعہ کے بیان سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے۔صحت ٹھیک نہیں تھی۔ہم سے فرمانے لگے اب میری صحت ٹھیک نہیں رہتی۔جماعت میں نکلنا میرے لیے مشکل ہے۔اسی رات خواب میں حضورﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔خواب میں دیکھا کہ حضورﷺ ہماری مسجد تشریف لا چکے ہیں۔بہت خوش تھے۔بارونق مجلس تھی۔اس مجلس میں مردان تبلیغی مرکز کی روحانی شخصیت حضرت مولانا احسان اللہ باچا صاحب بھی تشریف فرما تھے۔حضورﷺ کے ساتھ میری گفتگو جاری تھی۔تو حضورﷺ نے مولانا احسان اللہ باچا صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں نکلو۔میں نے عرض کیا۔حضور اب میری عمر بڑھ گئی اور حافظہ کمزور ہے۔عربوں کے ساتھ میری تشکیل ہوتی ہے۔انکی ترجمانی کرتا ہوں لیکن انکا پورا بیان مجھے یاد نہیں رہتا۔لہذا میرے لیے دعا فرمائیں کہ میرا حافظہ قوی ہوجائے۔پھر جاگ گیا۔اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے چار مہینوں کے لیے بنگلہ دیش گئے اس ارشاد کی وجہ سے حضرت حکیم صاحبؒ آخر دم تک کسی نہ کسی درجے میں تبلیغی جماعت کے اعمال میں ضرور حصہ لیتے تھے۔

حضورﷺ کا لعاب مبارک دینا:

جب بنگلہ دیش کے سفر سے واپس ہوئے تو اسکے چند دن بعد خواب میں حضورﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ہمارے گھر تشریف لائے تھوڑی دیر کے لیے تشریف فرما رہے۔پھر فرمایا میرے ساتھ گاؤں سے باہر چلو چنانچہ میں بھی انکے ساتھ چل پڑا۔میری گھر والی بھی میرے ساتھ تھی۔جب ایک میدان میں پہنچے تو حضورﷺ نے فرمایا۔میرے پیچھے نماز پڑھو۔اور مجھے دیکھتے رہو جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح پڑھا کرو۔چنانچہ ہم دونوں نے حضورﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔بڑے سکون اور آرام کے ساتھ انہوں نے نماز مکمل کرلی۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو تشریف فرما ہوئے مجلس لگ گئی کافی دیر تک انکی کرم نوازی چلتی رہی۔پھر میں نے

عرض کیا کہ حضرت مجھے بعض وساوس پیش آتے ہیں۔ جن سے میں تنگ آ چکا ہوں آپ اپنا لعاب مبارک مجھے دیدیں تا کہ وساوس ختم ہو سکیں۔ میرے ہاتھ میں مسواک تھی انہوں نے مجھ سے لے لی اور اپنا لعاب مبارک لگا کر فرمایا کہ اپنے منہ میں رکھو۔ جب میں نے مسواک منہ میں داخل کی تو میرا منہ حضور ﷺ کے لعاب مبارک سے بھر گیا۔ تو میں نے پورا لعاب مبارک نگل لیا۔ اس لعاب کا ذائقہ اب بھی محسوس کرتا ہوں۔

خواب میں حضور ﷺ کی طرف سے تسلی:

جب عمرہ کے سفر پر گئے اس وقت حضرت حکیم صاحبؒ پر اپنے بڑے صاحبزادے حاجی عنایت الرحمٰن صاحب کی وفات اور زوجہ محترمہ کی اچانک وفات کا غم سوار تھا۔ غم ہلکا کرنے کی نیت سے گھر والوں نے انکو عمرہ پر بھیج دیا۔ ایک دفعہ جب طواف سے فارغ ہوئے اور آرام کے لیے اپنے کمرہ میں تشریف لائے۔ میں کسی کام کے لیے نیچے چلا گیا۔ اور حضرت حکیم صاحبؒ آرام فرمانے لگے۔ کچھ دیر بعد جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت حکیم صاحب اپنے بستر پر تشریف فرما تھے۔ بڑے خوش نظر آرہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں تو فرمایا۔ کہ حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے یہاں کمرہ میں تشریف لائے۔ میرے ساتھ سرہانے پر تشریف فرما ہوئے۔ میں لیٹا ہوا تھا۔ دروازے کی طرف سے بڑی تعداد میں کالے رنگ کے چھوٹی چھوٹی کالی چیونٹیاں میری طرف بڑھ رہی تھیں۔ حضور ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے انکو ہٹا رہے تھے۔ یہاں تک کہ سب کو بھگایا پھر فرمایا یہ وساوس تھے۔ میں نے دفع کر دیئے۔ اس طرح کے وساوس اچھے نہیں ہوتے۔ اس خواب میں حضرت حکیم صاحبؒ کو بڑی تسلی ملی۔ اور بہت خوش ہوئے۔ میں نے حضرت حکیم صاحب سے عرض کیا کہ وساوس کس چیز کے متعلق تھے۔ تو فرمایا۔ غم سے پریشان ہونے کے وساوس تھے۔ اور حضور ﷺ مجھے تسلی دینے کے لیے تشریف لائے تھے۔

قبولیتِ دعا:

حضرت حکیم صاحبؒ دعا گو انسان تھے۔عاجزی کے ساتھ لمبی لمبی دعائیں مانگتے تھے اللہ تعالیٰ کے ایک محبوب شخص تھے۔اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی فریادرسی بہت جلد کر دیا کرتے تھے۔ ہم نے ذاتی طور پر کئی دفعہ کسی کام کے متعلق دعا کی درخواست کی بہت جلد اسکا اثر دیکھنے میں آیا۔ اور خاص کر جب کسی کام کے متعلق حضرت حکیم صاحب فرماتے کہ میں نے دعا کرلی اب اس طرح ہوگا۔تو وہ کام ضرور اس طرح ہوتا۔اور اس حدیث کا مصداق ظاہر ہوتا۔جسمیں اپنے خاص بندوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔کہ کسی کام کے متعلق قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اسکو پورا فرماتے ہیں۔ایک دفعہ ایک قریبی دوست شیر افسر آیا بہت پریشان تھا۔اس کا مسئلہ سنگین بھی تھا۔ اس کے بچوں میں ایک مرض چل رہا تھا۔اس کے بچے آٹھ یا نو سال تک صحت مند ہوتے تھے۔ بھاگتے دوڑتے رہتے تھے۔لیکن جب نو سال کے ہوجاتے۔تو مفلوجی کے شکار ہو کر مکمل طور پر معذور ہوجاتے تھے۔اس کے دو بیٹے اس طرح معذور ہوگئے تھے۔چنانچہ اس نے بتایا کہ اب میرا تیسرا بچہ جب نو سال کے قریب ہوا اس میں بھی اثرات ظاہر ہونے لگے اس نے پنڈی M.H. ہسپتال میں ٹیسٹ کروائے تو انہوں نے کہا اس پر مرض کا حملہ ہونے والا ہے اور ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔مردان کے ایک اسپشیلٹ نے بھی بتایا کہ اب یہ بچہ معذوری کی طرف جارہا ہے۔اسکی پریشانی پر حضرت حکیم صاحب کو ترس آیا اس وقت تو وہ رخصت ہوئے ۔پھر دوسرے دن حضرت حکیم صاحب نے مسعود صاحب سے فرمایا کہ شیر افسر سے کہو پریشان نہ ہو۔اس کا بچہ ٹھیک ہوجائے گا۔میں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے۔اور مجھے القا ہوا ہے کہ وہ ٹھیک ہوگا۔مسعود صاحب نے اسکو خوشخبری سنادی۔اسکی خوشی کی انتہا نہ رہی۔پھر چالیس دن تک حضرت حکیم صاحب نے اسکو دم بھی کیا۔الحمد للہ اب وہ بچہ بالکل تندرست ہے۔آخر عمر میں حضرت حکیم صاحبؒ حج کے سفر سے قبل سخت مریض تھے۔ہارٹ سپشلسٹ نے بتایا تھا کہ اسکا مرض سنگین ہے۔تین دفعہ انکو سخت اٹیک ہوا تھا۔شوگر اور بلڈ پریشر کے بھی سخت مریض تھے۔

جب حج سے واپس آئے تو بالکل ٹھیک ہوگئے تھے۔ ڈاکٹروں نے چیک کیا تو حیرت میں پڑ گئے۔ نہ دل کی بیماری، نہ شوگر، نہ بلڈ پریشر۔ فزیشن نے پوچھا کہ آپ نے شوگر کے علاج کے لیے کونسی دوائی استعمال کی ہے۔ ہمیں بتائیں۔ کیونکہ ابھی تک اسکا علاج دریافت نہیں ہوا۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا زم زم سے ٹھیک ہوا۔ میں نے زم زم پیتے وقت دعا کی۔ اور پھر بیت اللہ شریف میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا۔ اس لیے اب میری ساری بیماریاں ختم ہوگئیں۔ یہاں تک کہ نظر کی کمزوری بھی ختم ہوگئی۔ حضرت حکیم صاحب آخر میں بغیر عینک کے قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ ایک ڈاکٹر صاحب خدمت میں حاضر ہوا اور اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی حضرت حکیم صاحبؒ نے انکے لیے خاص اوقات میں دعا مانگی۔ 18 سال بعد اللہ تعالیٰ نے اسکو بیٹا عطا فرمایا۔ وہ شکریہ ادا کرنے کی غرض سے پھر حاضر ہوا۔ ایک مولانا صاحب بڑی پریشانی کے عالم میں آئے۔ اسکو بڑی پریشانی پیش آئی تھی۔ دعا کی درخواست کی۔ تین دن بعد ان کا مسئلہ حل ہوا۔ وہ بہت متاثر ہوا پھر بیعت بھی کرلی۔ قبولیت دعا کی بہت سے واقعات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ جنکا بیان مشکل ہے۔ اس لیے ہمیں انکی دعا پر کامل یقین تھا۔ ہر مشکل میں دعا کے لیے انکی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی کرامتیں:

کرامت اولیا حق ہے کرامت کی بڑی اور اعلیٰ قسم استقامت علی الدین اور اتباع سنت ہے ہم نے انکی بڑی کرامت یہ دیکھی کہ پوری زندگی میں ہم نے انکو سنت کا پابند اور مستجاب الدعوات پایا۔ خلاف شرع کام کا سرزد ہونا تو درکنار کوئی خلاف اولی کام بھی ان سے سرزد ہوتے نہیں دیکھا۔ انکو چونکہ اپنے احوال پر ضبط حاصل تھا۔ اس لیے اپنے آپ کو چھپا کر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی کوئی حیران کن فعل صادر ہو جاتا تھا۔ جو انکے خادمین کے پاس محفوظ رہتا تھا۔ چونکہ حضرت حکیم صاحبؒ کی خواہش ہوتی تھی۔ کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اس لیے انہوں نے بھی انکی زندگی میں مخفی رکھا۔

گاڑی کا تیس کلومیٹر بغیر ایندھن کے چلنا:

طفیل احمد صاحب جو حضرت حکیم صاحبؒ کے نواسے اور خادم خاص تھے۔ جس نے دن رات انکی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا تھا۔ کہتے تھے کہ ایک دفعہ راستے میں دوران سفر گیس ختم ہوا گاڑی بند ہوگئی۔ میں نے گاڑی چیک کرلی تو دیکھا تیل بھی نہیں اور گیس بھی نہیں ہے۔ بہت پریشان ہوا۔ قریب کوئی C.N.G اسٹیشن بھی نہیں تھا۔ میں اب سوچ رہا تھا کہ اب گاڑی کسی دوسری گاڑی سے باندھ کر لے جانی پڑے گی میری پریشانی کو دیکھ کر حضرت حکیم صاحبؒ نے بلایا اور پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے۔ میں نے تفصیل بتائی تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ گاڑی اسٹارٹ کرو میں نے عرض کیا گیس نہیں ہے فرمایا تم اسٹارٹ کرو نا!۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور روانہ ہوئے۔ گاڑی ٹھیک ٹھاک چلنے لگی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اور سمجھ گیا کہ گاڑی کسی اور طاقت سے چل رہی ہے۔ تیس کلومیٹر کے فاصلے پر C.N.G اسٹیشن پہنچ گئے پھر گیس بھروایا۔ جب اسٹیشن سے نکلے۔ تو حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص نام ہے جب میں اس نام سے کسی کام کے لیے دعا مانگتا ہوں تو وہ کام ہوجاتا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نام کا اثر ہے۔ اتنی عاجزی پیش کی میں سمجھ گیا کہ انکا مطلب یہ ہے کہ کسی کو بتلانا نہیں۔

روحانی غذا کا حصول:

آخر عمر میں جب سخت بیمار ہوئے۔ تو بہت کم کھانا کھاتے۔ انکی طبیعت کی مختلف چیزیں انکو پیش کی جاتی تھیں۔ لیکن ایک آدھ نوالہ لیکر بس کردیتے۔ ہمیں فکر لاحق ہوئی۔ ہم کھانے پر اصرار کرتے تھے۔ ایک دفعہ ہماری پریشانی دیکھ کر فرمانے لگے۔ آپ فکرمند نہ ہوں جب میری آنکھ لگ جاتی ہے۔ تو خواب میں مجھے لذیذ کھانے پیش کیے جاتے ہیں۔ جن میں سب کچھ ہوتا ہے۔ اور میں خوب کھالیتا ہوں۔ جب میں بیدار ہوتا ہوں۔ تو اسکا ذائقہ میرے منہ میں ہوتا ہے۔ آپ جو کچھ کھلاتے ہیں۔ یہ پھر مجھے اچھے نہیں لگتے۔ جب انہوں نے یہ فرمایا تو مجھے ترمذی شریف کی حدیث یاد آئی۔ کہ اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

اس کو کھلاتے پلاتے ہیں ۔اور حضرت تو اس حدیث کے مصداق ہیں ۔اور بھی کافی سارے واقعات ہیں۔لیکن طوالت سے بچنے کی خاطر چھوڑ رہا ہوں۔ان کے خادم طفیل احمد صاحب اور حاجی مسعود الرحمٰن صاحب کو خدمت کے عوض جبرئیل آمین کی تفصیلی زیارت خواب میں نصیب ہوئی ہے۔جو حضرت حکیم صاحب کی عیادت کے لیے تشریف لائے تھے۔جنکی تفصیل انکے تاثرات میں ملے گی۔

سفرآخرت کی تیاری اور اہل خانہ کی ذہن سازی:

رمضان المبارک آنے سے چند دن قبل حضرت حکیم صاحبؒ سے ایسے امور صادر ہونے لگے۔جن سے معلوم ہوتا تھا۔کہ گویا انہوں نے سفر کی تیاری شروع کردی ہے۔چند دنوں کے اندر قریبی رشتہ داروں کے گھروں میں آنا جانا شروع کردیا اور ان سے ملاقاتیں شروع کیں ہمیں بھی حیرت تھی۔حضرت حکیم صاحبؒ کیوں اتنے اہتمام کیساتھ جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔اور سب سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔چنانچہ چند دنوں میں انہوں نے تقریباً تمام قریبی رشتہ داروں سے ملاقاتیں کرلیں۔اور انکو کافی وقت دیا۔اور ہر ایک سے عفوودرگزر کی درخواست کرنے لگے اس کے علاوہ اپنے گھر کے افراد سے بھی اپنی موت کے تذکرے کرنے لگے۔

وفات سے چند دن قبل میں (نجم الرحمٰن) جمعہ کی چھٹی پر گھر گیا۔تو حضرت کی صحبت میں کافی وقت گزارا میں انکے ساتھ قریب بیٹھ گیا۔تو فرمانے لگے کہ میری صحت اب مزید کمزور ہوتی جارہی ہے۔میں چارپائی سے اٹھنے کا قابل بھی نہیں رہا۔اب میری خواہش یہ ہے کہ میں چلا جاؤں۔اور میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا" **توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین**" پڑھنا شروع کی ہیں۔میں نے عرض کیا۔آپ کا وجود ہمارے لیے باعث برکت ہے۔اور آپکی خدمت ہمارے لیے سعادت ہے۔فرمایا انہوں نے میری خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور خوشی سے کرتے ہیں۔لیکن میں نہیں چاہتا کہ مزید انکو تکلیف میں ڈالوں۔اس گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا۔کہ حضرت حکیم صاحب اس جہاں فانی کے قید خانہ سے آزادی چاہتے ہیں۔اس کے بعد

بھی جب، گھر کے افراد جمع ہوتے تھے۔ تو یہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے یوسف علیہ السلام کی دعا شروع کی ہے۔ وفات سے ایک دن قبل مسعود صاحب سے فرمایا کہ میں تیرے ساتھ دلائل سے بحث کرنے کے لیے تیار ہوں کہ میں کیوں اس دنیا سے اب جانا چاہتا ہوں اور فرمایا کہ تم بتاؤ اب میری صحت بہتری کی طرف جارہی ہے۔ یا کمزوری کی طرف۔ اس وقت میری حالت اچھی ہے۔ ہوش وحواس سب کچھ برابر ہیں۔ تو کیا مناسب نہیں ہے کہ میں اس حالت میں چلا جاؤں۔ تو میں خاموش ہوا۔ لیکن یہ احساس تو ہرگز نہیں تھا۔ کہ کل رات ہم سے رخصت ہونگے۔ ان کے تذکروں سے گھر کے افراد ذہنی طور پر تیار ہوئے کہ حضرت حکیم صاحبؒ نے اب سفر آخرت کا عزم کر رکھا ہے۔ اب ہمارے پاس انکا مزید رہنا مشکل ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی زندگی کے آخری دن کے معمولات:

جب رمضان شریف شروع ہوا۔ تو بہت خوش ہوئے جسم بھی نسبتاً پہلے سے زیادہ قوی تھا بلکہ ویل چیئر سے اتر کر کمرے میں چند قدم بھی لیے۔ پہلی رات کی تراویح میں شرکت کی تین پارے بھی سن لیے۔ فجر کی نماز میں شریک ہوئے اور سارا دن مسجد میں گزارا۔ اور فرمایا میں آج نفلی اعتکاف کرونگا۔ مسعود صاحب انکی خدمت میں حاضر رہے۔ پھر اس سے کہا کہ مجھے گشت کے لیے لے چلو۔ قریب جتنی دکانیں ہیں۔ ان سے بات کرنی ہے۔ کہ نماز کے وقت سب دکانیں بند رکھیں تا کہ کوئی نماز باجماعت سے محروم نہ رہے۔ ہم انکو دکانداروں کے پاس لے گئے وہ سب انکے معتقد تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ بالکل دکان بند رکھیں گے۔ اور گاہک کو بھی مسجد لے جائیں گے۔ پھر قاری سعید الرحمٰن صاحب کے کلینک میں تشریف لے گئے۔ وہاں سب لوگ ان سے ملنے کے لیے جمع ہوئے۔ ان کو نصیحت کی کہ رمضان المبارک آگیا ہے عبادت کی طرف متوجہ ہوجائیں سب نے وعدہ کیا،۔ وہاں سے اپنی بہن کے گھر چلے گئے۔ حاجی عبدالودود صاحب سے آخری تفصیلی ملاقات کر کے واپس مسجد تشریف لائے۔ سارا دن مسجد میں رہیں بہت سے لوگ ملنے کے لیے آئیں۔ جو بھی ملتا تھا اسے رمضان المبارک کے آداب کی رعایت رکھنے کی

تاکید فرماتے تھے۔

حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ آخری ۲۰ دن مکمل اعتکاف کرونگا انکا پہلے سے اعتکاف کا معمول چلتا تھا۔ پچھلے سال پورا مہینہ اعتکاف کیا تھا۔ اس سال صحت کمزور تھی۔ اس لیے ۲۰ دن اعتکاف کا فصیلہ کیا۔

افطاری مسجد میں کی۔ وہ مختصر افطاری کرتے تھے۔ اور تراویح کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے۔ پھر تراویح میں شرکت کی اور تین پارے سن لیے۔ دو رات کی تراویح میں چھ پارے مکمل ہوئے۔ تراویح ان کے فرزند قاری سعید الرحمٰن صاحب پڑھاتے تھے۔ جب تراویح سے فارغ ہوئے مسجد میں موجود لوگوں سے باآواز بلند سلام کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر رخصت لے لی۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی بھی اس طرح نہیں کیا تھا۔ بلکہ خاموشی سے چلے جاتے تھے۔ گاؤں والے اب بھی کہتے ہیں۔ ہمیں اب اندازہ ہوا کہ وہ مستقل طور پر رخصت لینا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس طرح کیا۔

جب گھر تشریف لائے تو معمول کے مطابق کھانا کھایا۔ پھر کچھ دیر کے لیے بیٹھے رہے۔ اپنے معمولات پورے کیے۔ اور پھر قاری سعید الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ حرم شریف کی تراویح کا وقت ہو چکا ہے۔ میں سننا چاہتا ہوں۔ تلاوت سننے لگے اور فرمایا کہ تلاوت کا حق یہ لوگ ادا کرتے ہیں۔ اسی تلاوت سے محظوظ ہوتے ہوئے سو گئے۔ قاری سعید الرحمٰن صاحب چونکہ انکی رات کی خدمت کیا کرتے تھے۔ وہ کرسی پر انکے ساتھ بیٹھے رہے۔ پھر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے۔ رات ڈیڑھ بجے پھر اٹھے انکو دیکھا آرام فرما رہے تھے۔ کیونکہ قاری سعید الرحمٰن صاحب کا معمول یہ تھا کہ بار بار اٹھ کر انکو چیک کرتے تھے۔ کہ کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ پھر دوبارہ سو گئے۔ پھر سوا دو بجے اُٹھ گئے۔ اور والد محترم کے لیے وضو کا انتظام کیا۔ کیونکہ ڈھائی بجے انکے اُٹھنے کا معمول تھا۔ قاری صاحب نے پونے تین بجے تک انتظار کیا کہ اب خود اٹھیں گے۔ لیکن نہیں اٹھے۔ قاری صاحب نے آواز دی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر قاری صاحب نے آپ کو

ہلایا۔لیکن پھر کوئی جواب نہیں ملا۔وہ سنت طریقہ کے مطابق دائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے تھے۔ دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھا تھا۔جب انہوں نے سیدھا کیا تو معلوم ہوا کہ انکی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی ہے۔ایسی خاموشی سے چلے گئے۔کہ قاری صاحب کا سرانکے سرھانے پر پڑا تھا۔ لیکن انہوں نے کوئی بھی حرکت وغیرہ محسوس نہیں کی۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی تمنا تھی کہ موت رمضان المبارک میں ہو۔اور آسان ہو۔چند دن پہلے ایک شخص کی وفات کی خبر آئی کہ اشراق نماز پڑھ کر گھر آیا گھر والوں سے چائے بنانے کے لیے کہا اور چادر پہن کر سوگیا۔گھر والوں نے اُٹھانا چاہا جب دیکھا تو وہ فوت ہوا تھا۔حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ موت ایسی ہونی چاہیئے۔کتنے انسان مرے۔کئی دفعہ انہوں نے اسکا تذکرہ کیا چنانچہ اسی طرح ہوا جس طرح چاہتے تھے۔

قاری سعید الرحمٰن صاحب نے خاموشی اختیار کی اور مسعود صاحب کو بلایا اور اطلاع دیدی۔اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حوصلہ دیا۔آپس میں مشورہ کیا کہ اس وقت سب لوگ سحری کی تیاری میں مشغول ہیں۔اگر ہم نے کسی کو بتایا۔تو لوگ سحری نہیں کرسکیں گے۔جب سحری کا ٹائم ختم ہوجائے تو اطلاع کردیں گے۔جب سحری کا ٹائم ختم ہوا گھر کے تمام افراد کو اطلاع دی گئی۔سب چیختے ہوئے آرہے تھے۔قاری سعید الرحمٰن صاحب مسجد گئے۔لوگ انتظار کررہے تھے۔جب قاری صاحب کو دیکھا کہ وہ تنہا مسجد آئے ہیں۔تو لوگوں میں تشویش پھیل گئی۔قاری صاحب نے اطلاع دیدی۔یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔مسجد میں موجود لوگوں نے رونا شروع کیا۔ گاؤں کے تمام مرد بوڑھے بچے مسجد کی طرف چیختے ہوئے آنے لگے۔عورتیں گھروں میں روتی رہیں۔ایسا اندوہناک منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

عجیب حسن اتفاق:

حضرت حکیم صاحبؒ حالت حیات میں حضورﷺ کی اتباع کیا اہتمام کرتے تھے وفات میں بھی سنت کی اتباع نہیں چھوڑی۔آپ دو رمضان المبارک شب کے آخر میں پیر کے

دن انتقال کر گئے ۔۔ عجیب اتفاق یہ بھی ہوا کہ پیر کے دن صبح انکی پیدائش ہوئی تھی ۔ اور اسی دن انتقال کر گئے ۔ وفات کے وقت انگشت شہادت بلند رہی جو اقرار شہادت کی واضح دلیل تھی ۔ اور اسی دلیل کے ساتھ ہی سپرد خاک ہو گئے ۔

تجہیز و تکفین:

گاؤں میں موجود تینوں اقوام کے سربراہان نے انتظامات سنبھال لیے تجہیز و تکفین کا بندوبست بھی کیا اور تین دن مہمانوں کی پرتکلف خدمت کی ۔ انہوں نے ایسے خلوص و محبت کا مثالی مظاہرہ کیا کہ ہمیں غم کا احساس ہونے نہیں دیا ۔

جنازہ و تدفین:

۲۵ ستمبر ۲۰۰۶ء / ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ بروز پیر دو پہر ڈھائی بجے حضرت حکیم صاحبؒ کا جنازہ ہوا ۔ کچھ دیر کے لیے مسجد کے ایک حصے میں دیدار کے لیے رکھے گئے ۔ پورا ماحول غمگین تھا ۔ ہر دل غم سے نڈھال تھا ۔ چہرے بجھے ہوئے تھے آنکھیں اشکبار اور پرنم تھیں اور ہر طرف غم واندوہ کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ۔

جنازہ میں علماء وطلباء ومبلغین کثیر تعداد میں شریک ہوئے دارالعلوم حقانیہ کے تمام شیوخ تشریف لا چکے تھے ۔ جامعہ عثمانیہ کے مدرسین اور طلباء بھی کثیر تعداد میں اپنے سرپرست کو رخصت کرنے آئے تھے ۔ ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوئے ۔ ۴۵ صفیں بن گئیں ۔ صفوں کی تعداد کے اعتبار سے محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ۱۶ ہزار افراد نے جنازے میں شرکت کی ۔ شیوخ کی اجازت اور مشورہ کے مطابق جنازہ راقم احقر نے خود پڑھایا ۔ جنازہ کے بعد اپنے لخت جگر حاجی عنایت الرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ ہی انکی تدفین ہوئی ۔ اور تدفین کے بعد جامعہ عثمانیہ کے استاد الحدیث حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن صاحب نے نصیحت آموز بیان فرمایا اور حضرت حکیم صاحبؒ کے حالات زندگی پر مختصر روشنی ڈالی ۔

قطعۂ تاریخ وفات

اک رہنمائے امت، خیر خواہ انس و جاں
وہ منصب عرفان پہ فائق چلے گئے
غیب سے بلند ہوئی فضا میں یہ صدا
اب رشک ملائک و خلائق چلے گئے
۱۴۲۷ھ

زمین کی رونق چلی گئی ہے
افق پر مہر مبین نہیں ہے
تیری جدائی میں ،مرنے والے
وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے

عالم اور عابد کا موازنہ

"ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ سخت ہے"

"علم (دین) طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

(رواہ ابن ماجہ)

سراپا شفقت
مجھ سے تو میرے خون کے رشتے بچھڑ گئے

حضرت حکیم صاحبؒ اولاد اور رشتہ داروں کی نظر میں

پھر ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مولانا غیور احمد درجہ تخصص سال دوم جامعہ عثمانیہ پشاور

انسانی زندگی ایک بہتے ہوئے پانی کی مانند ہے......چلتی ہوئی گاڑی کی طرح ہے......

بلکہ خواب جیسی ہے......ایسا خواب جو حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے......ایسا خواب جو کبھی راحت کا سامان مہیا کرتا ہے تو کبھی قدم بہ قدم سینہ چھلنی کرتا ہے......ایسا خواب جو تعبیر میں تنوع رکھتا ہے......کسی کے لیے تا ابد ابر رحمت اور کسی کے لیے تا ابد سوہان روح...... بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے دیکھنے والے خواہشات کی لہروں میں بہہ کر دو عالم سے بے گانہ ہو جاتے ہیں ......نتائج سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں، من چاہی اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنے والے اس کے دلدادہ ہو جاتے ہیں......اور بعض خوش نصیب وہ بھی ہیں جو کہ رب چاہی زندگی اپنا کر اور اسلامی تشخص کو اوڑھنا بچھونا بنا کر ضرب المثل بن جاتے ہیں......ان ہی میں سے ایک شخصیت حضرت حکیم صاحبؒ کی تھی۔

۲۰۰۶ء میں رمضان المبارک کا مہینہ اپنے تمام تر رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ نیک و پارسا لوگوں کے چوکھٹ پر آیا............ نئے مہمان کے لیے خدا ترس اور عارفین باللہ کے دلوں میں طرح طرح کے جذبات ابھرنے لگے...... پورے جذبہ اور لگن سے اس مہمان کا استقبال کرنے کا عزم مصمم ہونے لگا......انہی میں اک مسافر اپنے عجز وانکسار اور روحانیت کے ساتھ رمضان المبارک کے اعمال میں مشغول ہے......ابھی اس مہمان کے حق کی ادائیگی کے لیے پر تول رہا ہے کہ اگلی صبح یہ نیم شب کی سحر انگیزی اور خوشیاں لوٹنے والا مسافر اپنے الوداعی رسومات میں لگ گیا چنانچہ مہمان کو چھوڑ کر خود عالم آخرت کے مہمان بن گئے۔

ڈھونڈیں کہاں وہ نالہ شب تاب کا جمال
آہ سحر گاہی کی صباحت کہاں سے لائیں
سمجھائیں کیسے دل کی نزاکت کا ماجرا
خاموشی نظر کی خطابت کہاں سے لائیں

حضرت حکیم صاحبؒ کی وفات حسرت آیات کے بارے میں سن کے عجب مخمصے کی کیفیت طاری ہوئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا......زندگی میں تازگی نہ رہی......میرے سامنے ان کی تواضع اور شمع محفل کا خاکہ جگمگانے لگا......وہ کمزور ونحیف جسم، چہرے پر بلا کی طمانینت، خندہ پیشانی، منور چہرہ، ہونٹوں پر ہر کسی کے لیے مسکراہٹ جو خیر سگالی وہمدردی کا ترجمان ہو۔ وہ عظیم شخصیت جس سے جامعہ عثمانیہ کی محفلیں پر رونق ہو جاتیں، وہ جب مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو شرکاء مجلس کو عجیب اطمینان وحوصلہ افزائی کا احساس ہوتا......اجلاس میں شرکت فرماتے تو سارے مسائل سے جسم وروح آزاد ہو جاتی......وہ جس سے عبادت کے لیے ڈھارس بندھوانے کا حوصلہ ملتا......وہ جو نیکی کی راہ پر ڈالنے کے لیے دل کو تڑپاتا......وہ شخصیت جو ملاقات کے وقت روحانی لذتوں سے آشنا کرتا......جس کے جناب میں حاضری کے لیے دل بے تاب رہتا تھا......جس سے دین کی عظمت اجاگر ہو جاتی تھی۔ جن کے دل میں ہمیشہ علماء وطلباء کی قدر ومنزلت موجزن رہتی۔ جو اسلاف کے ساتھ تعارف کا سامان مہیا کرتا اور ایمان افروز واقعات بیان کرتا، جو دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا جو علمی ذوق کو جلا بخشتا، جو روحانیت، تقوی اور علم کے جوڑ کی فہم دانی کا حق ادا کرتا۔

وہ شخصیت جس کے جنازے میں شرکت کے لیے ایک جم غفیر بے تاب تھا۔ اور اس میں شرکت ہر کوئی اپنے لیے سامان بخشش اور باعث سعادت سمجھتا تھا۔ جس میں ہر ایک پر غموم کی بارش ہوتی رہی......عوام سے لے کر اولیاء اللہ تک میدان میں موجود تھے۔......اس مرد قلندر کو ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگوں کی قطاریں بن گئی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا کون سی بات ہے، جو سب کو اس طرف کھینچ کر لا رہی تھی۔ کبھی خیال کیا، اخلاق ہوں گے، تقوی وکردار ہوگا، عجز وانکساری ہوگی، دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم اور دارالعلوم حقانیہ کی نسبتیں ہوں گی، اللہ تعالی کی معرفت وعرفان کی بہاریں ہوں گی......ہاں کچھ ایسا ہی نظر آیا ہر کسی کے زبان پر الگ الگ تذکرے......کوئی علمی کمال کا معترف، کوئی دعاؤں کی اثر انگیزی کا دلدادہ، کوئی اخلاق پر جاں

نثار، کوئی اسلاف کی جھلک دیکھنے اور یادگار اسلاف قرار دینے پر مصر............

ہر ایک تدفین میں شرکت کے لیے "السابقون الاولون" کا مصداق بننے کے لیے کوشاں،

ہر ایک ایسے جذبات کا حال جیسا کہ اپنے حقیقی رہنما کو رخصت کر رہا ہے، اپنے جگر گوشے کو رخصت کر رہا ہے، اپنے محبوب کو رخصت کر رہا ہے، اپنے مرجع کو رخصت کر رہا ہے، اپنے ہی گھر کے چراغ کے بجھ جانے پر نوحہ کناں ہے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا ہے ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

کسی کا جگر اتنا زخمی کہ زخم مندمل ہی نہیں ہو رہا، مرقد پر انوار پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا، دل کو ادھر بھی تسلی نہیں، آنکھوں کا سہارا لیتے، پر آنکھیں بھی خشک ہو جاتیں............ وہ جب گھر چلے جاتے تو چونکہ حضرت حکیم صاحبؒ کے ہم مسکن ہیں، بس پھر کیا............ درودیوار پر حسرت کی لکیریں، منبر و محراب کی دل جلانے والے صدائیں، مسجد میں مسند کی پراسرار خاموشی، دعوت و تبلیغ کے لیے عظیم داعی کا فقدان، دعاؤں اور تسلی کے لیے موثر گوشہ کی ویرانی............

ان کو مسائل پیش آرہے ہیں، مگر اس پر کیف انداز میں اس کا حل، ان جیسا سمجھانے والا، ان جیسا مطمئن کرنے والا، ان جیسا پند ونصیحت کرنے والا کوئی نہیں............ وہ مارے مارے پھر رہے ہیں، کوئی اس جیسا دادرسی کرنے والا نہیں رہا، اس جیسا شفقت کرنے والا نہیں رہا، لوگ حواس باختہ ہو کر مرقد پر انوار کا رخ کر لیتے ہیں، ادھر ان کی ہچکیاں بندھنے لگتی ہیں۔ مگر کوئی سر پر ہاتھ رکھنے والا ہی نہیں، ان کو یقین نہیں کہ یہ علم و عمل، صبر و استقلال، عزم و ہمت، شفقت و ہمدردی، استعانت و امداد باہمی کا عظیم سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو چکا ہے، پھر کیا ان کی کرنیں بھی، اس کی تپش بھی، اس کی بلا کی روشنی بھی............ نہیں نہیں............ اللہ والوں کی فیوضات و برکات موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ ان کے چشموں سے سیرابی کا عمل رکتا نہیں، ان کے لگائے گئے گلشن کی خوشبو کی مہک پھیلنے کا عمل رکتا نہیں............ لیکن کوئی تو ہو جو اس بات کو سمجھائے......

غم جب تازہ ہو تو تسلی مؤثر نہیں رہتی، دماغ چند ے کے لیے کام چھوڑ جاتا ہے، وہ سوچنے کی جانب راغب ہی نہیں ہوتا............ہاں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے فیصلے کو تسلیم کرنے کا صحیح ادراک ہوتا ہے تو پھر تسلی کی ہلکی سی تھپکی دل کو لگتی ہے، پھر وہ احسان و چاہت کی رو میں بہہ کر اپنے محسن کو دعاؤں میں کبھی نہیں بھولتا، گویا کہ اس کے برکات و فیوضات کو موت کے بعد بھی جاری رکھنے پر بضد ہے۔

لیکن کیا اس نے اپنے مربی و محسن کا ایک رخ دیکھا ہے، بہت کم ہوں گے جو اس کے تمام صفات سے باخبر ہوں گے......وہ تعزیتی مجلس میں بیٹھتا ہے وہ حیران ہے......ہر کوئی الگ باب کا اضافہ کرتا جا رہا ہے......اس کے دل میں محبت و م ے کے جذبات بڑھتے جا رہے ہیں......محبت نے دل میں ایسی جگہ بنائی کہ وہ اپنے محسن ، مربی لی ہمیشہ کے لیے اتباع کرنے والا ، موت تک اس کو ؛ عاؤں میں یاد کرنے والا ، ان کے خاندان کی ڈھارس بندھانے والا بن جاتا ہے......اسی کو تو کہتے ہیں کہ نیک اعمال باقیات الصالحات ہیں کہ لوگ اس کی وجہ سے دین کی طرف آئے ہیں۔

اے اللہ تو ہی حضرتؒ کا نعم البدل عطا فرما، تو ہی جامعہ عثمانیہ، غمزدہ خاندان، دل برداشتہ حلقہ وابستگان کے تسلی کا سامان فرما۔ آمین یارب العالمین

☆ اللہ والوں کی جوتیوں میں وہ موتی ملتے ہیں
جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے ۔
(حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

میرے والد میرے مرشد

فرزندار جمند حافظ قاری سعید الرحمٰن صاحب

قاری سعید الرحمٰن صاحب ان کے صاحبزادوں میں سے اس وقت سب سے بڑے ہیں۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے خصوصی معالج اور شب گیر خادم خاص رہے اور ساتھ ساتھ حضرت حکیم صاحبؒ کے خلیفہ بھی ہیں، ان کی قیمتی تاثرات پیش خدمت ہیں۔

بچپن سے لے کر ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک میں نے ان کو پیار و محبت اور شفقت والفت کا مجسمہ پایا۔ انہوں نے اولاد کے حق میں اس تصور کو عملاً مٹایا کہ مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر اولاد کی تربیت کس طرح کی جاتی ہے۔ انہوں نے ہم پر اپنا اخلاقی رعب قائم رکھا اس لیے انکی مرضی کے خلاف کسی کام کے کرنے سے حتی الامکان اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ اپنے اخلاق اور عجز و انکساری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسی محبوبیت دی تھی کہ انسان تو درکنار جانوروں کے دلوں میں ان کا احترام پایا جاتا تھا۔ میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے چنانچہ رات کی خدمت کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے نصیب کی تھی۔ اس لیے نماز فجر کے لیے مسجد جانے کا انتظام بھی میرے ذمے تھا۔ فجر کی اذان کے بعد نماز کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ جب تک خود چل سکتے تھے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے سے گریز کرتے تھے لیکن معذور ہوئے اور پھر واکر کے سہارے جاتے تھے۔ تو میں ساتھ ہوتا تھا اور یہ خوف ہوتا تھا کہ کہیں محلے کے کتے ان کو نقصان نہ پہنچائے ۔گلی کے ایک چوراہے میں کتے جمع ہوتے تھے۔ جس سے گزرنے والے کو تکلیف ہوتی تھی۔ مجھے اکثر دیکھنے میں آیا کہ جب ہم اس چوراہے پر پہنچ جاتے تھے تو سارے کتے اٹھ کر وہاں سے چلے جاتے تھے اور دور ایک پل پر بیٹھ جاتے تھے۔ جب ہم مسجد کی گیٹ پر پہنچ جاتے تو سارے کتے واپس اپنی جگہ پر جمع ہو جاتے تھے۔ مجھے حدیث شریف کا وہ مفہوم یاد آتا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے تو مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈالی جاتی ہے۔

والد محترم رات کے اکثر حصے میں جاگتے رہتے تھے۔ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ رات کے

معمولات کے سخت پابند تھے۔ہم نے شدید مرض میں بھی ان کو عبادت کا پابند پایا۔درود شریف کا ورد بڑے ادب واحترام سے کیا کرتے تھے۔کبھی کبھار تو ایک خاص کیفیت حاصل ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی تھی تو حجابات بھی اٹھ جاتے تھے۔اس حالت میں وہ بڑے خوش ہوتے تھے۔اس لیے مولانا عبداللہ صاحب نوشہروی کا یہ شعر ان کو بہت پسند تھا

دجانان مدینه لرے ده خمانه

زه دزړه په مدینه کښې جانان گورم

کیونکہ ان کو اس کی حقیقت نصیب ہوئی تھی۔اکثر مجھے نعت سنوانے کا حکم دیتے تھے۔جب میں نعت پڑھتا تھا تو آبدیدہ ہوکر نعت کے ساتھ جھومتے تھے۔ان کا دل دنیا کی محبت سے بالکل خالی تھا۔مجھے ان کے ساتھ دواخانہ میں کام کرنے کا موقع ملا۔مریضوں کے ساتھ ان کی ہمدردی اور غریبوں کے ساتھ ان کا تعاون قابل دید تھا. یوں محسوس ہوتا تھا گویا انہوں نے ایک خیراتی ادارہ کھولا ہے جب ان کو پورا اعتماد حاصل ہوا کہ میں دواخانہ چلا سکتا ہوں تو انہوں نے مطب چھوڑ دیا اور ایسا ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر طب کا نام تک نہیں لیا. انہوں نے کبھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ تم کتنے پیسے کماتے ہو اور نہ انہوں نے کبھی رقم مانگی ہے. ہم جبراً ان کی جیب میں پیسے ڈالتے تھے اور وہ فرماتے تھے" میں نے پیسوں سے کیا کرنا ہے جو ضرورت ہوتی ہے وہ پوری ہوتی ہے۔" جو پیسے ہم دیتے تھے، وہ اکثر علماء وصلحاء میں تقسیم کرتے تھے۔پھر جب ہمیں اندازہ ہوتا تھا تو دوبارہ ان کی جیب میں پیسے ڈال دیتے تھے۔ان کی جیب اور دیگر اخراجات کی نگرانی بھائی مسعود الرحمٰن صاحب کیا کرتے تھے۔اور خود پیسے پاس رکھنے سے اجتناب کرتے تھے یہاں تک کہ بعد میں جب ہم نے ان کی جیبوں سے سامان نکالا تو کل ساٹھ روپے ان کے پاس موجود تھے۔گھر کے تمام افراد کے ساتھ ان کا رویہ نہایت شفقت آمیز تھا۔یہاں تک کہ بچے بھی ان کے پاس خوشی سے بیٹھتے رہتے تھے۔وہ گھر میں دربار اکبری لگانے کے خلاف تھے۔ان کی بے تکلف زندگی سب کے لیے راحت کا ذریعہ تھی چونکہ ہماری والدہ محترمہ مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے گھریلو

امورِ خانہ کی بھرپور صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے گھریلو نظام کو ایسے احسن طریقے سے سنبھالا تھا اور محبت کی ایسی فضا قائم کی تھی کہ تمام بھائی اکٹھے رہتے ہوئے بھی ہم نے پوری زندگی میں کبھی گھر میں عورتوں کی آپس میں تلخ کلامی بھی نہیں سنی ہے۔ اس لیے والد محترم کو کبھی مداخلت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

علماء و صلحاء سے ان کو بے پناہ محبت تھی، ان کا بہت احترام کرتے تھے، خاص کر حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب سے تو مثالی محبت رکھتے تھے۔ ہمیں حصول علم کی بہت ترغیب دیتے تھے۔ طب نے ان کو ایسا مصروف رکھا کہ ہمیں دینی کتب پڑھانے کی ان کو فرصت نہیں ملی۔ ہم بذات خود عصری علوم کی طرف بڑھنے لگے اور یونیورسٹیوں کا رخ کیا جو ان کی مزاج کے خلاف تھا لیکن الحمدللہ ہمارے دلوں میں پھر بھی اہل علم اور صلحاء کی محبت برقرار رہی۔ حالانکہ بعض دفعہ علمی گھرانے کے اچھے خاصے لوگ یونیورسٹی کے ماحول میں بدل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ علمی گھرانے کی طرف نسبت کرنے میں بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ لیکن والد محترم کی صحبت کی وجہ سے الحمدللہ ہم نے ہمیشہ اس نسبت پر فخر محسوس کیا۔ آخر عمر میں ان کو بڑی خوشی اس سے ملی کہ ہمارے گھر میں علم کی فضا قائم ہوئی، اب ان کی اولاد میں عالم و حافظ پیدا ہوئے اور پوتوں و نواسوں میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے جو مختلف مدارس میں پڑھ رہے ہیں۔ الغرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ ایک عبرت آموز کتاب ہے جس کی تفصیل ہمارے احاطہ سے باہر ہے اس لیے ان چند کلمات پر اکتفا کرتا ہوں لیکن میرے لیے بڑی سعادت مندی یہ تھی کہ آخری لمحات میں بھی مجھے اپنے پہلو میں بٹھائے رکھا شاید ہمارے شدید غم کا ان کو احساس تھا اور فراق کے آخری لمحات کے منظر کو مخفی رکھنا منظور تھا اس لیے رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ میٹھی نیند سو گئے۔

بس آ گئی قیامت کہا اہل دل نے
ایک آدمی کی موت نے یہ کام کر دیا

سراپا محبت

انجینئر حاجی حبیب الرحمٰن صاحب

انجینئر حبیب الرحمٰن صاحب انکے بیٹوں میں تیسرے نمبر پر آتے ہیں سب سے پہلے انہوں نے تبلیغ میں وقت لگایا۔اور اسکی محنت کی وجہ سے پورا گھرانہ تبلیغی جماعت سے منسلک رہا۔اس لحاظ سے گھر کے ماحول کی تبدیلی میں ان کا بنیادی کردار ہے۔

انکی اولاد میں سے ہر ایک کا یہ تأثر ہوگا کہ میرے ساتھ والد محترم کی خصوصی محبت تھی۔ چونکہ انہوں نے ہر ایک کو اپنی زندگی میں بہت دعائیں دیں۔اس لیے ہر ایک کا یہی تأثر بنتا ہے۔چنانچہ میں بھی یہ دعوی کرتا ہوں۔کہ بچپن سے لیکر وفات تک میں نے انکو محبت وشفقت کا عظیم مجسمہ پایا۔وہ صرف ہمارے والد محترم نہیں تھے۔ بلکہ زندگی کے ہر موڑ میں انکا رویہ ایک بے تکلف دوست سے کچھ کم نہ تھا۔انہوں نے ہم سے اپنے رعب کا حجاب بھی اُٹھایا تھا۔ہم بے دھڑک انکی مجلس میں ہر بات کہتے تھے۔اور وہ خوشی کیساتھ اسمیں ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے۔اس لیے انکی اولاد میں کوئی بھی ان سے غائب اور دور رہنے کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ بلکہ ان کی مجلس میں حاضری کے لیے بے تاب ہوتا تھا۔کیونکہ انکی طرح دوستانہ ماحول ہمیں کہیں میسر نہیں ہوتا تھا۔انکی اولاد میں کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ پوری زندگی انہوں نے کبھی کسی کو مارا ہو۔ یا ڈانٹا ہو۔اگر بچپن میں کبھی کسی کو غصہ ہوجاتے۔تو پھر اس کو کچھ دیکر راضی کرتے تھے۔ہمارے خالہ زاد بھائی حاجی ہدایت الرحمٰن صاحب جو حکیم صاحبؒ کے داماد ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ بچپن میں کسی کام پر مجھے بہت سخت غصہ ہوئے اور ڈانٹا۔پھر بعد میں مجھے ایک روپیہ دیا۔حالانکہ اس وقت اسکی بڑی قیمت تھی۔کیونکہ ہم ایک آنہ دن میں خرچ کرتے تھے۔اس ایک روپیہ سے میں بہت خوش ہوا۔دل میں کہا ایسی ڈانٹ تو ہر وقت ہونی چاہیئے۔

لیکن اللہ کے کرم سے انکی اولاد بھی طبعاً شریف تھی۔انکی نرمی کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ ہم شرارتیں کرتے تھے۔اور وہ خاموش رہتے تھے۔انکی محبت ہمیں غلط کاموں سے روکتی

تھی۔وہ نہایت فراخ دل انسان تھے۔گھر کے اخرجات میں انہوں کبھی بھی تنگ دستی سے کام نہیں لیا ہمارے گھر میں ہر چیز کی فراوانی ہوتی تھی ۔آس پاس کے گھروں کا بھی اس میں حصہ ہوتا تھا۔اپنی ذاتی خدمت کبھی بھی ہم سے نہیں کراتے تھے حالانکہ ہماری خواہش ہوتی تھی کہ ہم کوئی خدمت کریں ہمیں موقع نہیں دیتے تھے ۔جب تک خود چلنے پھرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ہمیں کبھی یہ نہیں فرمایا۔کہ فلاں کام کرو بلکہ خود وہ کام کیا کرتے۔کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہم مجلس میں ساتھ بیٹھے ہوتے اوران کو پانی کی ضرورت ہوتی ۔تو چپکے سے گلاس لیکر باتھ روم سے پانی لاتے۔جب ہمیں معلوم ہوتا تو اپنی ناراضگی ظاہر کرتے اور فرماتے کہ آپ لوگوں کی مجلس میں خلل کیوں ڈالوں ہمیں کبھی انہوں اپنا بدن دبانے کے لیے نہیں چھوڑا۔میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپکو اچھا نہیں لگتا ہے۔یا کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کو منع کرتے ہیں۔تو فرمایا۔اچھا تو لگتا ہے لیکن میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے۔کہ بدن دبانے سے انسان کے اندر سستی پیدا ہوتی ہے۔

نہایت حیادار انسان تھے۔ہم نے کبھی مجلس میں انکو پنڈلی کھولتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بہت خیال رکھتے تھے۔دنیا سے بے رغبتی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ہماری ذاتی توجہ عصری علوم کی طرف رہی۔لیکن وہ اس سے خوش نہیں تھے۔انکی خواہش تھی کہ میری اولاد دینی علوم حاصل کریں اس پر انکو کوئی خاص خوشی حاصل نہیں ہوتی تھی۔اور ہمیں ترغیب دیتے تھے۔کہ حتی الامکان سرکاری نوکری سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں اس میں دیانتداری بہت کم ہوتی ہے۔ایسا نہ ہو کہ حرام میں مبتلا ہو جاؤ۔ہمیں کئی دفعہ اچھی پوسٹیں ملنے کا موقع میسر آیا لیکن چھوڑ دیا اور اپنے کاروبار کو ترجیح دیدی۔الحمدللہ اس سے بہت خوش ہوئے۔جب میں نے تبلیغ میں وقت لگایا جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے گھر کے سارے حالات تبدیل کیئے اس سے بڑے خوش ہوئے ۔اور مجھے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے پاس لے گئے۔ان سے عرض کیا کہ اس نے تبلیغ میں چار مہینے لگائے ۔حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بہت خوش ہوئے۔حضرت اس وقت صاحب فراش تھے۔انہوں نے مجھے کافی دیر تک سینے سے لگائے رکھا اور فرمایا یہ تو مجاہد ہے مجاہد۔

جب ہمیں کوئی کاروباری پریشانی پیش آتی تو فرماتے فکر مت کرو۔بس ضرورت کے درجے میں ملے کافی ہے۔ہمیں تسلی ملتی تھی۔انہوں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دولت کی کثرت کا سوال نہیں کیا۔

عمر بھرانہوں نے مسجد کی خطابت کی لیکن قوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیااور اعلان کیا کہ میری اپنی حالت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے اس لیے مجھے ضرورت نہیں۔شعائر اسلام کا بہت احترام کرتے تھے۔قرآن کا نسخہ بڑے ادب سے اٹھاتے تھے۔اور تلاوت کرتے تھے۔اور تلاوت کرکے نہایت احترام کے ساتھ رکھتے تھے۔

انکی عادت مستمرہ تھی کہ جب اذان شروع ہوجاتی تو فوراً بیٹھ جاتے۔کبھی لیٹے ہوئے اذان نہیں سنی۔بڑے ادب سے سنتے تھے۔اور جواب دینے کا اہتمام کرتے تھے۔

جب کبھی تلاوت شروع ہوجاتی۔تو بھی بیٹھ کر سنتے۔قاری سعید الرحمٰن صاحب اکثر مولانا عبداللہ صاحبؒ اور حاجی محمد امین صاحبؒ کے منظوم نعتیہ کلام سناتے تھے۔اور حضرت بیٹھ کر سنتے۔اور بڑے شوق سے سرہلاتے تھے۔جب بھی ہم محسوس کرتے تھے۔کہ انکی طبیعت پر بوجھ ہے۔تو قاری صاحب کو ہم اشارہ کرتے تھے۔کہ نعت پڑھو۔تو نعت سننے سے انکی طبیعت میں تازگی آجاتی۔ہم نے انکو مستجاب الدعوات شخصیت پایا، ہر کام میں رجوع الی اللہ کرتے تھے۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کام ہوجاتا تھا۔میں نے عرض کیا کہ عمر بڑھ گئی میرے لیے دعا کریں کہ قرآن حفظ کروں انہوں حوصلہ افزائی فرمائی۔اور دعا کی۔الحمدللہ ۴۸ سال کی عمر میں کاروبای مشاغل کے باوجود ۲۳ پارے انکی زندگی میں یاد کیئے۔

میں جب مانسہرہ سے شیخ ملتون ٹاون مردان منتقل ہوا تو حضرت کی ملاقات کے لیے روزانہ آتا رہتا تھا۔ایک دفعہ کافی تاخیر سے پہنچا انہوں نے پوچھا کیوں اتنی تاخیر سے پہنچے میں نے عرض کیا کہ گاڑی نہیں مل رہی تھی۔رش بہت تھا۔فرمایا اچھا میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ گاڑی دیدے۔چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر اندر ہمارے گھر میں دو موٹریں اور ایک موٹر سائیکل پہنچ گئی۔ہم

حیران ہوئے۔

ہمارے بھائی مفتی نجم الرحمٰن صاحب جب کالج میں پڑھتے تھے۔تو ہم سب کی خواہش تھی۔کہ انجینئر بنے اور اسکے لیے ہم بھرپور کوشش کررہے تھے۔والدمحترم نے فرمایا۔آپ کی کوشش کامیاب نہیں ہوگی میں نے اس کے لیے علم کا سوال کیا ہے وہ عالم بنے گا۔چنانچہ انکی دعا کے وجہ سے وہ عالم بنے اور اللہ تعالیٰ نے انکو بڑی عزت وشرف سے نوازا۔علاقے کے لوگ انکو والد کا قائم مقام سمجھ کر قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔انکی وجہ سے بڑے خوش تھے۔والدمحترم کے ساتھ بڑی محبت تھی۔میں کبھی کبھی سوچتا تھا۔کہ اگر انکی وفات کی خبر آجائے تو ہم غم کے مارے بے حال ہونگے۔وہ گھڑی ہم پر کیسے گزرے گی۔حالانکہ جب فجر کی نماز سے قبل انکی وفات کی خبر پہنچی تو میں بالکل مطمئن تھا۔اور یہ محسوس کررہا تھا۔کہ وہ اپنی خوشی سے چلے گئے۔اس حال میں اپنی حوصلہ مند کیفیت کو حضرت کی کرامت سمجھتا ہوں ، الغرض قربت اور بے تکلفی کی وجہ سے عقیدت مندی ضرور متاثر ہوتی ہے لیکن ہم جتنے ہی قریب ہوئے تھے اور جتنی بے تکلفی اختیار کرتے تھے۔اتنے ہی ہمارے عقیدت کے جذبات میں اضافہ ہوتا تھا۔ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین ہے کہ اس محبت کی وجہ سے آخرت میں ہمیں انکی معیت نصیب ہوگی انکو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے علامہ اقبال کے ان اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دوعالم سے کرتے ہیں بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ تعالیٰ انکے اخلاق وعادات ہمیں نصیب فرمائے اور انکو درجات عالیہ عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

جبل استقامت

جناب مسعود الرحمٰن صاحب

فرزندار جمند و خادم خاص ایم۔بی۔اے پشاور یونیورسٹی

حاجی مسعود الرحمٰن صاحب حکیم صاحبؒ کے فرزندار جمند ہیں۔ حضرت حضرت حکیم صاحب کے خاص خدماء میں سے ہیں۔ حضرت کا علاج معالجہ، ادویات، بیرونی تقریبات میں شرکت کے انتظامات غرض دن کے جتنے معمولات تھے۔ حاجی مسعود الرحمٰن صاحب بخوشی ان کا انتظام کیا کرتے تھے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بچپن سے لیکر آج تک اللہ نے اپنے والد محترم حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ وابستہ رکھا۔ بچپن ہی سے حضرت نے عجیب انداز سے میری تربیت کی۔ حضرت حکیم صاحبؒ شفقت اور مہربانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ کبھی مجھ کو مارا نہیں۔ اور نہ ہی کبھی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جب بھی ہم سے کوئی کوتاہی ہوتی آپ عفوودرگز کا معاملہ فرماتے۔ آپ کو قدرت نے صبر و برداشت اور استقامت کا مجسمہ بنایا تھا۔ ہم سے بہت سی خطائیں سرزد ہو جاتیں لیکن آپ نے کبھی ملامت نہیں کیا۔ بچپن ہی سے ہم کو با اعتماد اور با کردار بنانے کی فکر رکھتے تھے۔ چنانچہ جب بھی میں پیسوں کی غرض سے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ دوکان کے ڈبے میں پڑے ہے۔ اس سے جتنی ضرورت ہو لے لو۔ اور ہمیشہ زیادہ عطا کرتے تھے۔ اور اسکے باوجود پوچھتے کہ پیسے کم تو نہیں ہے۔ پھر مزید فرماتے کہ مجھے اعتماد ہے کہ تم رقم ضائع نہیں کرتے۔ یہ تربیت کا ایک عجیب ناصحانہ اور حکیمانہ انداز تھا۔

جب میں نے کالج میں داخلہ لیا تو فارغ اوقات میں مطب حاضر ہوتا اور اپنا خرچہ خود لیتا۔ عصر اور عشاء کے وقت حضرت حکیم صاحبؒ سے کتابیں پڑھتا۔ حضرت حکیم صاحبؒ انتہائی فیاض تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ میں مطب سے زیادہ پیسے لیتا ہوں اور غریبوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ آپ کی اجازت کے بغیر کرتا ہوں۔ والد صاحبؒ اس سے بہت

خوش ہوئے ۔ اور فرمایا کہ اجازت ہے اور پھر اس کے بعد مستقلاً مجھے زکوۃ دینے کی اجازت فرمائی۔ خاندان کا یہ فریضہ آج تک میرے ذمہ ہے۔

میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ لیکن چھٹیاں آپ کیساتھ گزارتا تھا۔ فارغ اوقات میں آپ سے ترجمہ قرآن اور کتابیں پڑھتا تھا۔ درس میں ظرافت غالب رہتی ۔ ہمیشہ مسکراتے ہوئے درس میں مشغول رہتے۔ اللہ نے انتہائی فصاحت وبلاغت آپ کو عطا کی تھی۔ آپ کا پڑھایا ہوا سبق دل میں اتر جاتا۔ تحفہ کا ابتدائی حصہ، گلستان، نحومیر، میزان الصرف، صرف میر، منشعب، علم الصیغہ، نورالایضاح کا کچھ حصہ، قدوری کا ابتدائی حصہ، ہدایۃ النحو کا کچھ حصہ وغیرہ کتابیں میں نے والد صاحب سے پڑھیں۔

۱۹۸۶ء میں میں نے یونیورسٹی سے ایم ۔ بی ۔ اے کی ڈگری حاصل کی پھر آپ کی خدمت میں حاضر رہا آپ سے مشکوۃ کے کچھ ابواب پڑھے اور مظاہر حق کے مطالعہ کی اجازت حاصل کی۔ بخاری شریف کے بھی کچھ ابواب پڑھے۔ اور اس کے بعد دنیاوی مشاغل نے گھیر لیا اور پھر یہ شرف حاصل نہ ہوسکا۔ حضرت حکیم صاحبؒ اشعار کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ سبق کے دوران یہ شعر پڑھتے اور ساتھ ساتھ سہارنپور کے استاد کا حوالہ بھی دیتے۔

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

گھر میں ہوتے یا مطب میں اکثر یہ اشعار ترنم سے پڑھتے۔

صرفُ العمرفی لھوولعب
فآ ھا ثم آھا ثم آھا

أُحب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقنی صلاحً

آپ سچے عاشق رسول تھے۔ درود شریف پڑھتے ہوئے کبھی کبھی خاص کفیت طاری ہو جاتی اور

فرماتے کہ میں جب درود شریف پڑھتا ہوں تو روضہ اطہر میرے سامنے آجاتا ہے۔ یہ بات تنہائی میں مجھکو بتائی۔ والد صاحبؒ کا تبلیغی جماعت سے گہرا لگاؤ تھا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ مردان مرکز میں تشریف لائے۔ حضرت والد صاحبؒ سے ملاقات کا پروگرام طے پایا۔ مرکز میں اس وقت مسجد زیر تعمیر تھی۔ حضرت حکیم صاحبؒ اور حضرت مولانا سعید خان صاحبؒ کے درمیان تقریباً نصف گھنٹہ ملاقات رہی۔ پھر حضرت حکیم صاحبؒ نے سہارنپور کے اساتذہ کرام کا تذکرہ شروع کیا۔ حافظہ قوی تھا۔ ہر ایک استاد کا حلیہ تک یاد تھا۔ مولانا سعید خاں صاحبؒ اس ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور جب کھل کر باتیں ہوئی تو پتہ چلا کہ دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ پھر مولانا سعید خان صاحبؒ نے آخر میں کہا کہ بعد میں بھی ملاقاتیں ہوا کریں گی۔ لیکن اس کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ میرے ساتھ ان کی ملاقات میں خواہ مخواہ اسکا وقت ضائع ہوگا اس لیے پھر ملاقات کرنے کو ناپسند کیا۔

حضرت حکیم صاحبؒ انتہائی عاجز مزاج اور ملنسار شخصیت تھے۔ ہم جب بھی پاؤں دباتے تو فرماتے کہ بس تمھیں ثواب ہوگیا اور خدمت کرنے سے منع کرتے۔ اس ضمن میں آپ کبھی کبھار مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا تذکرہ کرتے کہ ایک شخص پاؤں دبانے آیا۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے دبانے سے منع کیا اور فرمایا کہ مجھے انگریز نہیں دبا سکے، تم کون ہو مجھے دبانے والے۔

آپ اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ کریمانہ رویہ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ دکان میں ہر وقت دو شخص ضرور ہوا کرتے تھے۔ اگر ان سے کبھی قیمتی دوائی کی شیشی وغیرہ ٹوٹ جاتی تو کبھی غصہ نہ ہوتے بلکہ مذاق میں ماحول تبدیل کرتے اور فرماتے اگر تو پہلوان ہوتا تو صرف ایک شیشی نہ توڑتا بلکہ دکان تو بھری پڑی ہے مزدور کو بروقت اور زیادہ اجرت دیتے تھے۔ اس لیے مزدور لوگوں کی اجرت علاقے میں ہمارے گھر سے بڑھتی تھی۔ ان کو یومیہ پیسے دیتے تھے اور فرماتے تھے پسینہ خشک ہونے سے قبل مزدوری دینی چاہیئے مزدوروں کو کھانا بھی خوب کھلاتے تھے مجھ سے

فرماتے تھے ان کو چائے کے ساتھ ضرور کچھ دیا کرو۔ جب مزدور تھک جاتے تھے تو خود مشورہ دیتے تھے کہ تھوڑا آرام کرو ہمیں کوئی جلدی نہیں ان کے اخلاق کا یہ اثر تھا کہ مزدور کار خدمت کے جذبے سے کام کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹائم ختم ہونے کے بعد کام میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت حکیم صاحبؒ پھر ان کو جبراً رخصت کرتے تھے کہ باقی کل پورا کرو۔

والد محترم نے کبھی بھی دنیاوی ترقی کی ترغیب نہیں دی بلکہ تعلیم بھی قابلیت کی حد تک محدود رکھنے کے قائل تھے اس لیے احتیاط کے بنا پر ہمیں سرکاری نوکری سے دور رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جب میں پشاور یونیورسٹی کے قائداعظم کالج آف کامرس میں ایم۔بی۔اے کر رہا تھا۔ فائنل سمسٹر میں نیشنل بینک کی ایک ٹیم کراچی سے آئی ہمیں بریفنگ دی اور نیشنل بینک میں گریڈ II کی پوسٹ کے لیے ایک تحریری ٹیسٹ لیا اس ٹیسٹ میں کالج کے تین لڑکے کامیاب ہوئے الحمدللہ میری پہلی پوزیشن آئی انہوں نے ہم سے انٹرویو لیا لیکن میں نے پوسٹ لینے سے انکار کیا۔ اس پوسٹ پر میرا دوسرا ساتھی چلا گیا وہ اب سینیئر وائس پریذیڈنٹ ہے۔ جب کالج آیا تو ساتھیوں نے کہا تمھارا دماغ خراب ہے ایسی پوسٹ کو تم نے چھوڑا۔ میں نے کہا مجھے والد محترم نے سودی ادارے میں کام کرنے سے روکا ہے۔ یہ تو صرف دیکھنا چاہتا تھا کہ ٹیسٹ پاس کر سکتا ہوں یا نہیں۔ الحمدللہ اس فیصلے پر میں آج بھی خوش ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس کی برکات دیکھ لیں۔ میں اپنے والد محترم کی زندگی کے کس پہلو کو بیان کروں۔ ان کی پوری زندگی ناقابل فراموش، ایمان افروز واقعات وحالات پر مشتمل ہے۔ ان کی وفات نے ہماری زندگی کی رونقیں لوٹ لی ہم جب بھی آپس میں بیٹھتے ہیں تو ہماری ہر محفل ان کی یاد سے سجی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بعد الموت بھی ان کی فیوضات وبرکات ہم پر جاری رکھے۔ آمین

تو نظیری ز فلک آمده بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدرِ تو نشناخت دریغ

مردقلندر

محمد طفیل صاحب

محمد طفیل صاحب حضرت حکیم صاحبؒ کے نواسے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو خدمت کے جذبے سے سرشار کیا ہے۔سفروحضر میں حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ خدمت میں مشغول رہتے۔اور خاص کر آخری ایام میں تو حضرت حکیم صاحب کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو مکمل فارغ کیا تھا۔کچھ ایسے واقعات ہیں جو ان کے ساتھ بطور امانت محفوظ تھے۔حضرتؒ کی زندگی میں ان واقعات کو صیغہ راز میں رکھنا مناسب سمجھا اب چونکہ حضرت اس دنیا سے تشریف لے چکے ہیں اس لیے افادہ عام کے۔لیے ان کا ذکر ضروری ہے انہوں نے بیان نہ کیا،وفات کے بعد انہوں نے حقائق سے پردہ اٹھایا۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

بہت ہی کم ملتی ہیں زمانے میں ایسی شخصیتیں کہ جن کی رحلت سے خاندان ہی نہیں بلکہ علاقے ویران ہو جائیں۔ہر گھر ماتم کدہ بن جائے،ہر شخص خود کو یتیم محسوس کرے،اور عرصہ دراز تک پورا علاقہ مغموم رہے انہی میں ایک شخصیت حضرت حکیم صاحبؒ کی تھی۔کیونکہ علاقہ کی ہر قوم،ہر خاندان اور ہر شخص پر ان کا دست شفقت۔حضرت حکیم صاحبؒ کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ سرپرستانہ اور مشفقانہ صلاحیتیں رکھیں تھیں کہ ہر کوئی خود کو ان کے قریب تر سمجھتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ کسی کو کوئی بھی مشکل پیش آتی تو حکیم صاحبؒ کے پاس حاضر ہوتے۔تنازعات اور جھگڑے چاہے قوموں کے مابین ہوتے تھے یا مختلف خاندانوں اور لوگوں کے درمیان،لیکن ان کے تصفیہ میں وہ نہایت فعال تھے۔لوگوں میں اس قسم کے واقعات پیش آتے تو حضرت حکیم صاحبؒ کو انتہائی تکلیف ہوتی تھی۔جب تک تنازعہ حل نہیں ہوتا تھا بہت بے آرام رہتے تھے۔علاقے کے

بہت سے دیرینہ دشمنداروں کے مابین راضی نامے کروائے۔اور خاندان میں بھی ان کا ہی کردار رہا۔حضرت حکیم صاحب ؒ خود کسی سے ناراض نہیں رہتے۔قطع تعلق سے سخت نفرت تھی۔عفو ودرگزر ان کا شیوہ تھا۔نہایت نرم مزاج تھے۔ہاں دین کے معاملے میں اتنے سخت کہ مزاج میں پھر کوئی رعایت اور مصلحت نہیں رکھتے تھے۔حضرت حکیم صاحب ؒ سخاوت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ لوگوں سے ان کی ضرورتیں معلوم کر کے پورا کرنا بھی ان کے محبوب ترین مشاغل میں سے تھا۔ بہت مہمان نواز تھے اور روزانہ زیادہ مہمانوں کا آنا جانا رہتا تھا۔تبلیغی جماعت آجاتی تو روزانہ ساری جماعت کو کھلایا کرتے تھے۔ان کی ہدایت کے مطابق زیادہ کھانا تیار کر کے ہمسایوں میں تقسیم کرنا معمول تھا۔

ایک دفعہ اپنے گاؤں کے کھیتوں کی طرف تشریف لے گئے،وہاں کھیتوں میں مصروف کسانوں سے ملاقات کی ان کے حال احوال پوچھ رہے تھے۔کھیت کی طرف دیکھا تو اس میں تازہ ساگ بہت خوب صورت نظر آرہا تھا۔تو حضرت ؒ نے فرمایا یہ تو تازہ اور خوبصورت ہے آپ اسے کھاتے نہیں؟انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب ہم تو روزانہ صرف ساگ ہی کھاتے ہیں۔یہ سن کر دل میں بہت ترس آیا لھذا جا کر قصائی سے روزانہ ان کے لیے گوشت مقرر کر دیا۔

علم دوستی ان میں حد درجہ موجود تھی لیکن صرف دینی علوم پر زور دیتے تھے۔دینی مدارس کے علماء وطلباء ان کے ہاں بکثرت آیا کرتے تھے۔طلباء کو بہت عزت دیتے تھے۔بعض طلباء کی کفالت خود فرماتے تھے۔مثال کے طور پر ایک دفعہ اپنی مسجد میں قرآن مجید کے طلباء (بچوں) سے امتحان لے رہے تھے۔تا کہ اساتذہ کرام کی کارکردگی کا اندازہ ہو جائے۔

الحمد اللہ انکی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔انکے خدمت نے میری زندگی بدل ڈالی۔ وہ آسانی سے کسی خدمت قبول نہیں کرتے تھے۔انکا رویہ بہت مشفقانہ تھا۔اس لیے میری درخواست قبول کر کے اپنے خدام کی صف میں شامل کیا لیکن حتی الامکان جب قابو پاتے تو اپنی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ان کے ساتھ کمرے میں رہتا تھا۔اس لیے بہت قریب سے دیکھنے کا

موقع ملا۔نہایت عبادت گزار انسان تھے کوئی لمحہ بغیر ذکر وفکر کے برداشت نہیں کرتے تھے۔مجھے بھی فارغ نہیں چھوڑتے تھے۔کسی عبادت میں مشغول رکھنے کی وہ ترغیب دیتے تھے۔الحمدللہ میں نے ان سے بیعت کرلی۔جس نے میری زندگی پر بہت اچھا اثر کیا۔وہ اس معاملے میں بھی بڑے فیاض تھے۔مریدین کی طرف فیض منتقل کرنے کی کیفیات ظاہر ہوتی تھیں۔خاص کر ان کی خدمت کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کی جانب بڑا کرم ظاہر ہوتا تھا۔اس لیے ان کی چندروزہ خدمت اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ تصور کرتا ہوں۔مجھے ان کی خدمت کی ترغیب کے لیے فرشتے خواب میں ظاہر ہوتے تھے۔

جب حضرت حکیم صاحبؒ کی ٹانگ ٹوٹ گئی لوگوں کی سہولت کے لیے انہوں نے مہمان خانہ میں رہائش اختیار کی۔میں ان کی خدمت کرتا تھا۔وضو بنواتا رہتا تھا۔تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ داداجی اپنے کمرے میں صوفہ پر تشریف فرما ہیں۔اس دوران فرشتوں کی ایک جماعت ملنے کے لیے آگئی۔وہ داداجی صاحب سے ایسے بے تکلف انداز میں ملے کہ یوں محسوس ہورہا تھا کہ یہ ان کے پرانے دوست ہیں۔وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے اور بے تکلفی سے گفتگو کررہے تھے۔اسی دوران اطلاع آئی حضرت جبرئیل علیہ السلام داداجی کی ملاقات کے لیے تشریف لارہے ہیں۔ہم سب انتظار کرنے لگے۔تھوڑی دیر بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام اندر تشریف لائے۔سب فرشتے ان کی تعظیم میں کھڑے ہوگئے پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام داداجی کے سامنے تشریف فرما ہوئے اور سارے فرشتے بڑے ادب واحترام کے ساتھ خاموشی سے پیچھے بیٹھ گئے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بڑی خوشگواری کے ساتھ داداجی صاحب سے گفتگو فرمائی پھر میں داداجی صاحب کے وضو بنانے کے لیے اٹھ گیا۔حسب معمول میں نے پانی کا لوٹا لیا اور داداجی صاحب وضو کے لیے پانی لینے لگا۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً میرے ہاتھ سے لوٹا لیا اور فرمایا کہ چھوڑو یہ خدمت میں کرنا چاہتا ہوں۔پھر انہوں نے پانی ڈالنا شروع کیا اور داداجی صاحبؒ وضو کرنے لگے۔اس خواب سے مجھے بڑی خوشی محسوس ہوئی کہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے عملاً خدمت کی ترغیب دیدی۔

الحمدللہ میں نے کبھی بھی ان کی خدمت میں تھکاوٹ محسوس نہیں کی بلکہ ہر بار نئی لذت پائی۔ وہ ہر دفعہ مجھے بہت دعائیں دیتے رہے بالآخر وہ دن بھی دیکھنے میں آیا کہ ہمارے دادا جی اور روحانی پیشوا ہمیں بے نوا چھوڑ کر رخصت ہوئے۔

ان کی وفات نے مجھے بہت دکھ دیا اور ظاہر ہے کہ ایسی عظیم شخصیت کی رفاقت سے محرومی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سے محرومی ہے لیکن وفات کے بعد میری پریشانی اس وقت کم ہوئی جب خواب میں ان کی تفصیلی زیارت نصیب ہوئی۔ بہت خوش تھے اور مجھے گلے سے لگایا میری پشت پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور میرے کان میں انہوں نے جو کچھ فرمانا تھا فرما ہی دیا جس کا اظہار میرے بس میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی برکات وانعامات ہم پر جاری وساری رکھے۔ آمین ثم آمین

پرامن راہ!

توفیق الٰہی کی سینکڑوں راہیں ہیں۔ ہدایت وتربیتِ غیبی کے ہزاروں بھیس ہیں سب سے زیادہ آسان وپرامن راہ یہ ہے کہ راہنمایان طریق میں سے کسی صاحب ارشاد کی ہمت وصحبت حاصل ہو جائے۔

(تذکرہ ابوالکلام آزادؒ)

میرا خوش خلق بھائی

حاجی عبدالودود صاحب

حاجی عبدالودود صاحب نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم صاحب کے بہنوئی اور چچازاد بھائی ہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر اہم موڑ میں ان کے ہمنوا رہے۔

بچپن کے زمانہ سے لے کر آخر عمر تک ہم دونوں کا مثالی برادرانہ تعلق رہا۔ میرے چچا جان اور حضرت حکیم صاحبؒ کے والد محترم نے میری پرورش اور تربیت کی۔ ان کی برکت سے مجھے ہندوستان کی یادگار درسگاہوں میں اساتذہ کے سامنے شرف تلمذ طے کرنے کا موقع فراہم ہوا اور اکابرین کی مجالس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان حضرات کی صحبت میں بیٹھنا نصیب ہوا۔ جن کے صرف نام سننے سے روح کو تازگی نصیب ہوتی ہے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث حضرت محمد مولانا زکریاؒ اور رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد الیاسؒ جیسی شخصیات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ طالب علمی کے زمانہ میں بھی میری رفاقت رہی اور ان کی فراغت کے بعد بھی ہر موقع میں ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔ ہمارا اتنا قریبی تعلق رہا کہ آج تک بہت سارے لوگوں کو معلوم نہ ہوسکا کہ ہم چچازاد بھائی ہیں یا سگے بھائی۔ اور اس تعلق کا اثر ہماری اولاد پر بھی باقی رہا۔ وہ بھی آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم نے کافی عرصہ اکٹھے طور پر ایک ہی گھر میں گزارا۔ ہمارے معاملات کھانا، پینا سب کچھ شریک ہوتا تھا۔ آپؒ تو تدریس اور مسجد کی امامت وخطابت کے امور میں مصروف رہتے تھے۔ اور پھر اپنے مطب میں مصروف رہتے جبکہ میں انتظامی امور سنبھالتا رہا۔ اس لیے غمی وخوشی کی تقریبات کے انتظامات، سرکاری معاملات، بچوں کی پڑھائی کے انتظامات وغیرہ سب کچھ میرے ذمے ہوتے تھے۔ حضرت حکیم صاحبؒ نہایت بااخلاق، فیاض اور عبادت گزار انسان تھے۔ میں نے زندگی میں ان جیسا صابر اور خوش خلق بھائی نہیں دیکھا۔ ان کی وفات سے مجھے بڑا صدمہ پہنچا اور آج تک میرے دلی زخموں کو قرار نہیں آیا اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

محبت و آشتی کا علمبردار

حاجی ظرافت سیر صاحب

حاجی ظرافت سیر صاحب حضرت حکیم صاحب کے بچپن کے دوست اور چچازاد بھائی ہیں۔

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب ؒ مجھ سے عمر میں تقریباً سات سال بڑے تھے۔ میرے ساتھ شروع ہی سے حضرت حکیم صاحبؒ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ میرے ساتھ بہت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ حضرت حکیم صاحبؒ زاہد و عابد شخصیت تھے۔ میں نے ان کو بے حد متبع سنت پایا۔ وہ بے حد امن پسند، محبت کرنے والے اور مصلح شخصیت تھے۔ ہمارے گھر میں اپنے پیرانہ سالی کے باوجود ایک دفعہ رات کو تہجد کے لیے اُٹھے۔ چارپائی سے وضو کی نیت سے اُٹھے ہی تھے کہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پوری رات اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ صبح میں جب اُٹھا تو حقیقت حال سے مجھ کو باخبر کیا۔ میں حیران ہوا کہ اتنی تکلیف کے باوجود صبر سے کام لیا اور مجھے اُٹھایا تک نہیں تا کہ پریشانی نہ ہو۔ اس کے علاوہ ذاتی طور پر میں ہمیشہ علمی مسائل میں ان سے رابطہ رکھتا تھا۔ حضرت حکیم صاحبؒ چونکہ ایک علمی و عملی شخصیت تھے ان کی وجہ سے اللہ کے فضل و کرم سے مجھے بہت عملی ترقی نصیب ہوئی۔ میں حضرت حکیم صاحبؒ کو پورے خاندان کے لیے باعث رحمت تصور کرتا تھا اور حضرت حکیم صاحبؒ کی جدائی پورے خاندان کے لیے ایک عظیم نقصان تصور کرتا ہوں۔ اللہ سے دعا ہے کہ حضرتؒ کے نقش قدم پر ہم کو چلنے کی توفیق عطاء فرمائے اور حضرت حکیم صاحبؒ کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

جامعہ کا الہامی سرپرست اعلیٰ

حاجی غیاث الانام صاحب

حاجی صاحب جامعہ عثمانیہ کے شوریٰ کے رکن اور مفتی صاحب کے دست راست ہیں اور حضرت حکیم صاحبؒ کے چچازاد بھائی ہیں۔

حضرت حکیم مولانا لطف الرحمٰن صاحبؒ ہمارے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اللہ کے فضل وکرم سے شروع ہی سے ہمارا خاندان علم اور تصوف کے ساتھ وابستہ رہا۔ حضرت حکیم صاحبؒ ایک تو عمر میں بھی تقریباً سب سے بڑے تھے اور اللہ نے علم وعمل سے بھی مزین فرمایا تھا اس وجہ سے ہمارے خاندان کے حقیقی رہنما تھے۔ ذاتی طور پر میں نے اُس سے محبت واُلفت اور خداترسی کا درس سیکھا۔ حضرت بے حد امن پسند شخصیت تھے۔ خاندانی ناچاقیوں کی صورت میں اپنی پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود سب سے زیادہ فکرمند رہتے۔ میری رائے میں حضرت حکیم صاحبؒ کی تقرری بحیثیت سرپرست جامعہ عثمانیہ ایک الہامی فیصلہ تھا۔ جب بھی حضرت حکیم صاحبؒ کے خدمت میں حاضری ہوئی حضرت حکیم صاحبؒ حضرت مفتی صاحب اور جامعہ عثمانیہ کے بارے پوچھتے رہتے اور دعاؤں کیساتھ رخصت کرتے۔ جامعہ عثمانیہ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ہم نے اعلان کیا کہ جامعہ عثمانیہ ہی میں میرا اور حضرت مفتی صاحب کے قبریں اکھٹے بنیں گے تو حضرت حکیم صاحبؒ نے خود ہی استفسار کیا کہ میرا بھی مدفن جامعہ عثمانیہ میں بنے گا۔ چونکہ حضرت کے جذبات تو موت کے بعد بھی جامعہ عثمانیہ سے وابستگی کے تھے لیکن قدرت کو منظور نہ تھا۔ اور حضرت کا مدفن ان کے مریدین کے اصرار پر ان کے گاؤں تمبولک میں بنی۔ حضرتؒ کو اللہ نے بہت سی صفات کا حامل انسان بنایا تھا۔ صبر وشکر، علم دوستی محبت وانس، ہمدردی، ایثار وقربانی ان میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ حضرت حکیم صاحبؒ کی جدائی بلاشبہ ایک ناقابل تحمل غم ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ حضرتؒ کی فیوضات وبرکات موت کے بعد بھی پورے خاندان، حلقۂ وابستگان اور جامعہ عثمانیہ پر جاری وساری رہیں گے۔

ایک ملنسار شخصیت

حضرت مولانا حکیم محمد عمر دامت برکاتہم العالیہ

مولانا محمد عمر صاحب دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء میں سے ہیں۔حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ سہارنپور میں وقت گزارا ہے۔حالاً مردان میں مقیم ہیں۔فن طب میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ مجھ سے تقریباً تین سال بڑے تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت حکیم صاحبؒ کی حاضری مجھ سے پہلے ہوئی تھی۔ان کے ساتھ مولانا عبدالصمد صاحبؒ ہوا کرتے تھے۔حضرت حکیم صاحبؒ کے والد حضرت مولانا غلام حبیب صاحبؒ کی وفات کے بعد جب مولانا عبدالصمد صاحبؒ حضرت حکیم صاحب اور حاجی عبدالودود صاحب سہارنپور سے آئے تو مولانا عبدالصمد صاحبؒ کو ادھر تمبولک مردان میں قائمقام مقرر کیا گیا۔پھر ہندوستان حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ اور حاجی عبدالودود صاحب چلے گئے اس کے بعد جب وہ واپس آئے تو میں بھی ہندوستان ان کی معیت میں روانہ ہوا۔ان سے چونکہ خاندانی قرابت تھی۔اس لیے ان کے ہاں آنا جانا بچپن سے تھا۔سہارنپور میں درسی کتب میں حضرت حکیم صاحبؒ مجھ سے بڑے تھے۔سہارنپور میں مولانا دوست محمد صاحب کی سرپرستی میں ہم ادھر اپنے علمی سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔مگر اس کے ساتھ ساتھ حضرت حکیم صاحبؒ کا بھائی چارہ، خوش اخلاقی اور شفقت میری زندگی کا ایک مستقل حصہ ہے۔

انہوں نے نہ صرف علمی سفر میں ساتھ دیا بلکہ خاندانی تنازعات میں ان کا کردار روز روشن کی طرح عیاں تھا۔میں بذات خود ان کو خاندانی صلہ رحمی کے لیے ایک رحمت کا فرشتہ تصور کرتا تھا۔کیونکہ خود حضرت حکیم صاحبؒ انتہائی ملنسار اور تعلق میں پختگی لانے والے شخص تھے۔اور انکی اس صفت کا اثر تمام خاندان اور خصوصاً انکے اولاد پر نمایاں ہے۔صبر و استقامت میں حضرت حکیم صاحبؒ ہمارے پورے خاندان میں معروف تھے۔ان کی وفات کی خبر مجھ پر بجلی بن کر گری۔

میں انتہائی غمزدہ ہوا کیونکہ حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ نہ صرف میرے بچپن کی یادیں وابستہ تھیں، بلکہ پورے خاندان کو اکٹھا رکھنے اور ان کو تقویٰ اور خداترسی کے راہ پر لانے والے ایک حقیقی رہنما تھے۔ جواب اپنے تمام تر شفقتوں کے ساتھ ہم سے بچھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی فیوضات کو تمام خاندان پر تا قیامت جاری رکھے۔ آمین

حضور ﷺ کے اخلاق

حضور ﷺ ایک بار راستے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک صحابی سے حضور ﷺ کی ملاقات ہوئی تو اس صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں دو مسواکیں پیش کیں حضور ﷺ نے ان کو بخوشی قبول کیا ان دو مسواکوں میں سے ایک بالکل سیدھی اور ایک ٹیڑھی تھی۔ حضور ﷺ کے اخلاق دیکھیئے کہ جو سیدھی تھی۔ وہ اپنے ساتھی کو دی اور جو ٹیڑھی تھی وہ آپ ﷺ نے اپنے پاس رکھی۔

(احیاء العلوم)

تبلیغی جماعت کے جاں نثار ساتھی

حاجی الطاف الرحمٰن صاحب

حاجی الطاف الرحمٰن صاحب مدینہ منورہ میں مقیم ہیں جو تبلیغی جماعت کے اہم افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے داماد بھی ہیں۔

بعض شخصیات کو اللہ تعالیٰ کا ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ ان میں سے ایک شخصیت حضرت حکیم صاحبؒ کی ہے۔ مجھے حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ ایک خاص تعلق نصیب ہوا کیونکہ حضرت حکیم صاحبؒ میرے استاد تھے۔ قرآن کریم کا ترجمہ اور فقہ میں نور الایضاح میں نے ان سے پڑھی۔ دوران درس اس کی فصاحت کو دیکھ کر رشک آجاتا تھا۔ حضرتؒ کے اسباق میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص برکت ودیعت رکھی تھی۔ نورالایضاح میں مسئلہ سمجھانے کے بعد عبارت خوب حل کر لیتے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے درس کے بعد سبق کے تکرار کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ میں نے کئی دفعہ اور جگہ بھی دروس میں شرکت کی لیکن میں نے حضرت حکیم صاحبؒ جیسا مدرس کسی کو نہیں پایا۔

حضرت حکیم صاحبؒ خود ایک نیک سیرت اور متبع سنت انسان تھے۔ اس وجہ سے جس کو بھی متدین پاتے، اس کی بہت قدر کرتے، خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر ان کی اس قدر عزت واحترام کرتے کہ اس کو باقاعدہ نام لے کر پکارتے تھے۔ مثلاً میرے بھائی کو "لطیف الرحمٰن صاحب" کہہ کر پکارتے تھے۔ مجھے بھی مولانا الطاف الرحمٰن صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت حکیم صاحبؒ پوری امت کے لیے فکر مند رہتے۔ آپ کی مزاج میں اصلاح وصلوح کا غلبہ تھا۔ خصوصاً خاندانی امور میں تو مرکزی کردار حضرت حکیم صاحبؒ کو حاصل ہوتا تھا۔ میں جب بھی خاندانی تنازعات کے تصفیہ کے لیے کوئی کوشش کرتا تو بھرپور سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

حضرت حکیم صاحب حلم وکمال کے پیکر تھے۔انتہائی حاضر دماغ تھے۔چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن القرشی نے ایک دفعہ حج سے قبل ہماری ضیافت کی۔یہ خود بھی بڑے متقی اور جید عالم دین ہیں اوراس کے برخورداران بھی خوب علوم نبوی میں مہارت رکھتے ہیں۔مکہ مکرمہ ہی میں علوم نبوی کی تکمیل کی۔انہوں نے کہا کہ حضرت حکیم صاحبؒ بحر العلوم تھے۔اور مردان میں قیام کے دوران کئی مسائل میں مجھ کولا جواب کر دیا۔میں ذاتی طور پر بھی آخری حج میں حضرت حکیم صاحبؒ کے ساتھ رہا۔وہ حج کے موقع پر کئی علمی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ عارف باللہ اور مظبوط یقین کے حامل شخصیت تھے۔چنانچہ حج کے موقع پر شوگر کی تکلیف تھی۔زم زم نوش کر کے دعا کی،اللہ تعالیٰ نے شوگر کی تکلیف ختم کر دی جس پر ڈاکٹر حیران تھے۔حضرت حکیم صاحبؒ عیدالاضحیٰ کے موقع پر نظام الدین تشریف لے جایا کرتے تھے۔ادھر حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی صحبت کی وقت گزارتے تھے۔اور بڑی خوشی طبعی سے اسکا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ہم ادھر تعلیم میں شرکت کرتے تھے۔ایک دفعہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہے تھے۔میرے ساتھ حاجی عبدالودود صاحب بھی تھے۔حاجی صاحب پر نیند کا غلبہ طاری ہوا جسکی وجہ سے گر گے۔حضرت مولانا محمد سف صاحبؒ کا دھیان اس طرف ہوا تو درس ختم کر دیا۔پھر طلباء نے مزاحاً اس کہا کہ پہلے گر جاتے تا کہ جلدی چھٹی مل جاتی تھی۔

حضرت حکیم صاحبؒ تبلیغی جماعت کے جانثار ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ایک دفعہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ دونوں کے اساتذہ کرام ایک ہیں الغرض حضرت حکیم صاحبؒ جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔اللہ ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

تذکرہ داداجی مرحوم و مغفورؒ

مولانا اظہار الرحمٰن عثمانی

مولانا اظہار الرحمٰن عثمانی حضرت حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ کے نواسے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ ہی سے علوم نبوی کی تکمیل کی۔ دورہ حدیث کے بعد دو سال تخصص فی الفقہ الاسلامی کے لیے مادر علمی کے آغوش میں ٹھہرے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے خاص خادم رہے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کی آخری عمر میں انہوں نے کافی خدمت کی ہے۔

مرحوم و مغفور داداجی حضرت حکیم صاحبؒ زھد و تقوای، تواضع و انکساری، متانت و سنجیدگی، تحمل اور بردباری جیسے عظیم اوصاف حسنہ کے پیکر تھے۔ اور ہمیشہ "ادفع بالتی ھی احسن" کا نمونہ پیش فرمایا۔ صبر و استقامت کے پہاڑ تھے۔ اور بڑے مصائب کو انتہائی سہل انداز میں جھیلا۔ نبی کریم ﷺ، بزرگان دین اور اولیاء اللہ کی تعلیمات، فرمودات اور اعمال و افعال کا صحیح نقشہ اور عملی تصویر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اقوال و افعال اور ارشادات و فرامین میں وہی جلوے اور جھلکیاں دکھائی دیتی تھیں جو قدرت نے حضور ﷺ کی ذات اقدس میں ودیعت کر رکھی تھیں۔ علماء اولیاء اللہ اور اتقیاء کے آثار اور افعال کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم نوازی سے بعض ہستیوں کو بطور نمونہ عنایت فرما دیتے ہیں۔ تا کہ ان کے رشد وہدایت کے چراغ سے پوری انسانیت منور ہو۔

عزت مآب داداجی بھی ان بزرگ ہستیوں میں سے تھے۔ جن کی خوراک پوشاک، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا غرض تمام حرکات و سکنات میں اتباع سنت کی جھلک نمایاں نظر آتی تھی۔ مرحوم چھوٹی چھوٹی سنتوں کا بھی اہتمام فرماتے تھے اور ہر حال خواہ سفر ہو یا حضر ہو، بیماری ہو یا تندرستی ہو، آخر دم تک اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہے جو انکا قال تھا وہی ان کا حال تھا۔ آپ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے۔ تہجد کے علاوہ نوافل کا بھرپور اہتمام رہتا تھا۔ باوجود ضعف و بیماری کے اس میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ ہی کسی رکاوٹ کو آڑے آنے دیا۔

رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ جب بیماری شدت اختیار کر گئی اور وضو کی قدرت نہ رہی تو تیمم کرتے ہوئے روتے کہ دوبارہ کب وضو کی توفیق ملے گی۔ان کی عبادت کو دیکھ کر دوسروں کو رشک آجاتا۔وہ عالم ضرور تھے مگر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عارف باللہ بھی تھے۔قرآن کریم کی ایسی سمجھ وفہم عطا کی گئی تھی کہ گویا آپ کی رگوں میں بسا ہوا ہے۔خود فرماتے کہ میں قرآن کریم کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے اپنی مادری زبان۔اگر دوران تلاوت کوئی آیت بے سوچے سمجھے پڑھ لوں تو دوبارہ دھیان کے ساتھ اس کو گردانتا ہوں۔کسی نے بے خوابی کی شکایت کی تو فرمایا کہ رات کی بیداری کو غنیمت سمجھو اور وضو کر کے تلاوت کرتے رہا کرو۔ایسی حالت اور ایسی سوچ تب نصیب ہوتی ہے جب آدمی کو عبادت کا لطف نصیب ہو جائے کسی شاعر نے خوب فرمایا

عارفی کچھ دل کی خلوت ہی میں ملتا ہے سکون
جب کبھی دنیا کے ہنگاموں سے گھبراتا ہوں میں

دعا کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ چاشت کی نماز پڑھ کر تنہائی میں جائے نماز پر بیٹھے دعا مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھوں کو جائے نماز پر رکھ کر زمین کی طرف جھکے اور گڑ گڑا کر دعا مانگ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا ذوق عطاء فرمایا تھا۔جود وسخا کے علمبردار تھے۔ایک غریب گھرانے کے بارے میں معلوم ہوا کہ ساگ ان کی مستقل خوراک ہے تو اپنے ذاتی خرچ سے روزانہ ان کے لیے گوشت خریدنے کا انتظام فرمایا اور آپ کی رقت قلبی کا یہ عالم تھا کہ کسی مریض کے تنگ دستی کی بنا پر علاج نہ کر سکنے کا علم ہوا تو ان کے ساتھ خود بھی روئے اور قاری صاحب (برخوردار) کو ہدایت کی کہ آئندہ کے لیے ان کا علاج بالکل مفت ہوگا۔

طالبان علوم نبوت کے ساتھ آپ کی ولولہ انگیز محبت تھی۔متعدد بار میرے مادر علمی جامعہ عثمانیہ تشریف آوری فرماتے رہے۔جب انتہائی ضعف اور شدید بیماری کی حالت میں خود چلنے سے قاصر ہوئے تو دوسروں کے سہارے چل کر تشریف لاتے۔جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کی

آپ کے ساتھ دلی عقیدت تھی۔ وہ منظر میرے آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب جامعہ کی مسجد میں طلباء آپ کے اردگرد جمع ہوکر آپ کی باتیں سنتے اور ان کے سوالوں کے جوابات دیتے۔ انتہائی کریمانہ اخلاق کے مالک تھے۔ میری طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں خود میرے کمرے میں تشریف آوری فرما کر میری خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔

جامعہ عثمانیہ اس دور کی عظیم الشان درسگاہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کے اساتذہ کرام کی دن دگنی رات چگنی محنت نے اس ادارہ کو خوب ترقی بخشی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جامعہ ایسی ہستیوں کی دعاؤں کا محور رہا ہے اور یہ عظمت شان ان ہی کی مرہون منت ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازیوں اور انعامات کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ داداجی مرحوم ومغفور کی دعاؤں کو ہمیشہ کے لیے ہم سب پر قائم ودائم رکھے۔ آمین

حضرت سعد بن سہلؓ سے روایت ہے
کہ نبی علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا
''اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ایک مرد کو بھی ہدایت دے تو یہ
آپ کے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔''
(رواہ الشیخان)

یاد اُنکی ستاتی رہے گی

حاجی اعجاز احمد صاحب ایڈوکیٹ

حاجی اعجاز احمد صاحب ایڈوکیٹ حضرت حکیم صاحبؒ کے داماد شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی پوتی ان کے عقد نکاح میں ہے اور حضرت حکیم صاحب کے خدام میں بھی شمار ہوتے ہیں۔

میرا بچپن داداجی صاحبؒ کے گھر میں گزرا ہے کیونکہ یہ میری پھوپھی کا گھر تھا۔ ہمارے گاؤں میں ابتدائی تعلیم کی حالت اچھی نہیں تھی اس لیے مجھے انہوں نے پرائمری تعلیم تک اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد میں اسلامیہ کالجیٹ سکول پشاور چلا گیا۔ داداجی صاحبؒ کا رویہ میرے ساتھ والدین سے بڑھ کر تھا۔ چونکہ اس گھر کا ماحول دین داری کا تھا اس لیے آج اگر میرے اندر دین کی طرف کچھ نہ کچھ رغبت پائی جاتی ہے تو یہ ان کی برکت سے۔ یہاں آ کر مجھے تلاوت قرآن کریم کے ساتھ حد درجہ محبت پیدا ہوئی۔ قاری سعید الرحمٰن صاحب نے اس لحاظ سے میری تربیت کی اور مجھے محفلوں میں تلاوت کی ترغیب دینے لگے۔ الحمدللہ اس تربیت کا اثر تھا کہ کالج کے زمانے میں محفل قراءت میں بطور خاص حصہ لیتا تھا اور الحمدللہ ملکی سطح پر کالج کی طرف سے مقابلوں میں شرکت کا شرف حاصل ہوا اور اردو نعت خوانی کے ساتھ بھی شوق بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت بڑے مشائخ کے مجالس میں نعت پڑھنے کی سعادت بخشی۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحبؒ کی مجالس میں مجھے ضرور نعت پڑھنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ وہ بڑے شوق سے سنتے تھے اور مجھے بہت دعائیں دیتے تھے۔ داداجی صاحبؒ کے پاس جب حاضری ہوتی تھی تو نعت پڑھنے کی خواہش ظاہر کرتے تھے۔ میرے ساتھ ان کا تعلق اور محبت، میں اپنے لیے خصوصی قرار دیتا ہوں۔ میں جب آتا تھا اور مہمان خانے میں بیٹھ جاتا اور ان کو اطلاع ملتی تو فوراً گھر بلا لیتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ ہمارے پورے گھرانے کے ساتھ ان کا امتیازی تعلق تھا۔ آج کل ہمارے گھر میں جو کچھ دینی ماحول نظر آتا ہے یہ ان کی مرہون منت ہے۔ اپنی وفات سے چند دن قبل ہمارے گھر تشریف لائے تھے۔ پورا دن ہمارے ساتھ گزارا۔

میں نے اپنی زندگی میں ان جیسی کمالات سے بھرپور شخصیت نہیں دیکھی ہے۔میری زندگی پران کا بڑااثر رہا، میں نے اپنی آنکھوں سے ان کی دعائیں قبول ہوتی دیکھیں۔ان کی صحبت کی وجہ سے ہمیں دنیاوی لالچ اور حرام کمائی سے نفرت نصیب ہوئی ۔مردان میں میری وکالت کی کامیاب پریکٹس جاری تھی ۔اس میں بھی بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس پیشہ سے مجھے اطمینان حاصل نہیں تھا۔داداجی سے میں نے دعا کی درخواست کی کہ اس کا متبادل کوئی کاروبار مل جائے مجھے اطمینان نہیں ہے۔ان کی دعاؤں کی بدولت میری جان چھوٹ گئی اوراب پشاور میں اللہ تعالیٰ نے کاروباری موقع فراہم کیا۔الحمدللہ مجھے کبھی کبھاران کی خدمت کا موقع ملتا تھا۔تقریبات میں شرکت کے موقع پرڈرائیونگ میرے ذمہ تھی ۔مجھے ان کی خدمت سے بڑی راحت نصیب ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں ہمیشہ مالامال رکھے اور آخرت میں بھی ان کا قرب نصیب فرمائے۔آمین

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ
رسول مقبول ﷺ نے فرمایا
''جو علم کی تلاش میں نکلا تو
وہ اللہ کی راہ میں ہے، یہاں تک
کہ (واپس) لوٹ آئے''
(رواہ الترمذی)

؎ خیال و قول و عمل میں کبھی فرق نہ رہا
یہی سنا ہے نشانی ہے اہل جنت کی

اساتذہ کرام اور طلبہ جامعہ عثمانیہ کے جذبات محبت

سرپرست اعلیٰؒ

حضرت مولانا حسین احمد صاحب استاد حدیث و ناظم تعلیمات جامعہ عثمانیہ پشاور

''سرپرست'' کا لفظ سنتے یا پڑھتے ہی کسی ایسے بزرگ، متقی و پرہیزگار، علم وفضل اور اصابت رائے سے متصف شخصیت کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ جس کے علم وفضل اور اصابت رائے سے خاندان یا ادارہ استفادہ کرتا ہو۔ اور اسے خاندان یا ادارہ میں ایک بالاتر حیثیت بھی حاصل ہو۔ اگرچہ یہ لفظ اب عموماً صرف بطور تبرک استعمال کیا جاتا ہے۔ عملی طور پر سرپرست ایک عضو معطل سمجھا جاتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دعا کے لیے ہی سرپرست کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا سرپرست کے معنی بگاڑ دیئے گئے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور اور مظاہر العلوم سہارنپور کی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے دور تک کی تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سرپرست کی حیثیت نہایت ممتاز ہوا کرتی تھی۔ اور وہ ادارے کے تمام امور میں مرجع الامور متصور ہوتا تھا۔ شوریٰ اپنے فیصلوں میں سرپرست سے رجوع کرتی تھی۔ ارکان شوریٰ اگر کسی مسئلے میں مختلف رائے رکھتے، تو سرپرست کی رائے ہی فیصلہ کن ہوتی اور اسی پر عمل کیا جاتا۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد کسی شخصیت کو جامعہ کا سرپرست اعلیٰ بنائے جانے کے پیچھے بالکل یہی سوچ کارفرما تھی۔ کہ کسی ایسی شخصیت کو سرپرست اعلیٰ بنایا جائے۔ جو علم وفضل، ورع وتقویٰ کے ساتھ مؤمنانہ فراست اور اصابت رائے کی اعلیٰ صفات سے متصف ہو۔ اور دوران سال کسی بھی اہم معاملے میں اگر فوری طور پر مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا کر مشاورت نہ کی جا سکے (جو یقیناً ہر معاملے میں مشکل ہے) تو سرپرست اعلیٰ سے رجوع کیا جائے۔ اور انہی کی رائے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو۔

13 نومبر 1995ء بمطابق ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ کو مجلس شوری کے اجلاس میں حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ کو جامعہ عثمانیہ کا سرپرست اعلیٰ بنایا گیا۔ اللہ انہیں غریق

رحمت کرے اس دن سے اپنی وفات کے دن تک انہوں نے اس سرپرستی کو ایسا نبھایا کہ اس لفظ کے معنی زندہ ہوگئے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم کی ''سرپرستی'' کی یاد تازہ ہوگئی۔ اور آنے والوں کے لیے نمونہ چھوڑ کر چلے گئے۔ سچی بات ہے کہ ان کی وفات کے بعد اب جامعہ کی سرپرستی کے لیے ان جیسی اعلیٰ صفات کی حامل شخصیت کی تلاش ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے دل میں جامعہ عثمانیہ کے لیے بڑی محبت، عظمت، خیر خواہی کا جذبہ اور اس کو ترقی کے اعلیٰ منازل پر دیکھنے کی بڑی آرزو اور تمنا تھی۔ جب سے وہ سرپرست اعلیٰ بنے جامعہ کا یوم سرپرستان ہو یا اجلاس شوریٰ، ختم بخاری شریف ہو یا کوئی اور تقریب اپنے ضعف اور پیری کے باوجود وہ ان تقاریب میں التزام اور باقاعدگی کے ساتھ شرکت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بہت شدید بیماری کے سوا کوئی عذر ان کے سامنے ایسا نہیں تھا جس کی وجہ سے جامعہ کی کسی تقریب میں شرکت سے وہ خود کو معذور سمجھیں بلکہ بیماری کے سبب بھی اس ساری مدت میں ایک آدھ بار ہی شاید اس کی نوبت آئی ہوگی کہ حضرت حکیم صاحبؒ جان محفل نہ بن سکے ہوں۔ تین چار سال سے تو وہ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے تھے مگر وہ اس قدر حساس اور باہمت تھے کہ اس کے باوجود ان کی حاضری میں کوئی فرق نہ آیا۔ انہیں کرسی میں اٹھا کر گاڑی میں بٹھایا جاتا جامعہ پہنچ کر بھی گاڑی سے اسٹیج یا مسجد تک کرسی ہی میں لایا جاتا۔ اور اس حالت میں بھی کئی گھنٹے تقاریب اور اجلاسوں میں بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ کرسی پر بیٹھے رہتے۔ ان جیسے باہمت میں نے کم ہی دیکھے ہیں رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

جامعہ کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کے صاحبزادے مولانا نجم الرحمٰن صاحب جب ہفتہ عشرہ بعد ان کی خدمت میں جاتے تو صاحبزادہ مسعود الرحمٰن صاحب کے بقول حضرت حکیم صاحبؒ سب سے پہلے ان سے جامعہ کے حالات تفصیل سے پوچھتے اس کے بعد کہیں ان سے ان کے بچوں اور اپنے پوتے پوتیوں کا حال دریافت فرماتے۔

گزشتہ سال شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں سخت بیماری کے باعث وہ شریک نہیں ہوسکے

تھے اس کا انہیں بہت ہی قلق اور افسوس تھا۔ جناب مسعود الرحمٰن صاحب نے مجھے بتایا کہ ان کا مضبوط عزم تھا کہ جیسے ہی مرض میں تھوڑا بہت افاقہ ہوگا اور وہ مردان تا پشاور سفر کرنے کے قابل ہوں گے تو جامعہ میں تشریف لاکر اس کی تلافی فرمائیں گے اس عزم کا انہوں نے کئی بار اظہار فرمایا مگر افسوس وہ جانبر نہ ہو سکے اور جامعہ میں آخری بار حاضری کی حسرت اور تمنا لیے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت حکیم صاحب ؒ کی بڑی صفت ان کی عاجزی وانکساری تھی انہوں نے مظاہر العلوم اور دار العلوم دیوبند میں اکابر کو دیکھا تھا اور ان کی تربیت حاصل کی تھی۔ دار العلوم حقانیہ میں حضرت مولانا عبدالحق ؒ سے انہوں نے حدیث پڑھی اور پھر آخر تک ان سے تعلق رہا۔ اکابر کے عجز وانکساری کی تصویر تھے۔ ان کے صاحبزادے ان کے جو واقعات سناتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ورع وتقویٰ کے بڑے مقام پر فائز تھے مگر وہ ہمیشہ اپنا حال چھپایا کرتے تھے۔ ان کی گفتگو بہت سیدھی سادی ہوا کرتی تھی جس میں نہ وہ اپنے علم کا اظہار فرماتے نہ ہی اپنے تقویٰ و بزرگی کا، ہمیشہ اپنے آپ کو ہر اعتبار سے کم تر سمجھتے تھے اور یہی اکابر کی شان تھی۔

میں نے صبر وشکر کی صفت خاص طور سے ان کے اندر دیکھی وہ ایک عرصے سے گونا گوں امراض کا شکار تھے اور آخری سالوں میں جیسا کہ عرض کیا گیا چلنے پھرنے تک سے معذور ہو گئے تھے مگر جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہیں صابرو شاکر پایا حرف شکایت کبھی ان کی زباں سے میں نے نہیں سنا وہ اس حال میں بھی نہ صرف یہ کہ خوش رہتے بلکہ محفل میں خوش طبعی اور ظرافت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

ان کو اپنے اکابر سے بڑی ہی محبت تھی ان کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کیا کرتے تھے۔ دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم اور وہاں کے اکابر کے واقعات مزے لے لے کر بڑی محبت سے سناتے تھے۔ میرا خیال ہے یہی ان کی گفتگو کا محبوب ترین موضوع تھا۔ جامعہ میں جب بھی کسی

پروگرام میں تشریف لاتے۔موقع ملتے ہی طلبہ ان کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور ان کی گفتگو، اکابر کے واقعات اور نصائح کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔اور دیر تک جاری رہتا۔طلبہ کے ساتھ وہ بڑے خوش رہا کرتے تھے۔اور اسی چیز نے انہیں طلبہ کا محبوب بنا دیا تھا۔فرماتے کہ یہاں کے ماحول میں بہت خوش ہوتا ہوں مگر ضعف اور بیماری کی وجہ سے نہ تو جلدی جلدی آمد و رفت ہوسکتی ہے نہ ٹھہر سکتا ہوں۔

حضرت حکیم صاحبؒ کو حالات نے اگرچہ درس و تدریس کا موقع نہ دیا۔نہ وہ کسی مدرسے اور جامعہ کے احاطے میں بیٹھ کر پڑھا سکے۔لیکن ان کا دل ہمیشہ علماء و طلبہ کے ساتھ دھڑکتا رہا۔ہمیشہ ان سے محبت و تعلق رہا۔اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔یہی وجہ ہے کہ وقت کے بڑے بڑے محدثین،علماء و فضلاء،تبلیغی جماعت کے اکابر اور سیاستدان علماء کے وہ یکساں طور پر محبوب ترین شخصیت رہے اور سب کا ان کے ساتھ آخر دم تک تعلق رہا۔اہل مدارس اور علماء و طلبہ کے ساتھ محبت کا نتیجہ ہے کہ ان کی آخری عمر میں جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ان کا باقاعدہ تعلق سرپرستی قائم ہوا۔اور وہ ایک جامعہ کے سرپرست کی حیثیت میں ہی اپنے رب کے ہاں حاضر ہوئے۔

جامعہ کے ساتھ ان کی محبت تو تھی ہی مگر جامعہ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے ساتھ بھی ان کی محبت اور عقیدت غایت درجے کی تھی۔بہت ہی بلند الفاظ میں حضرت مفتی صاحب کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔بہت دفعہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ مجھے بھی حضرت حکیم صاحب کے دولت خانے پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اس موقع پر ان کی خوشی دیدنی ہوتی تھی۔اور وہ طرح طرح سے اپنی خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔

حضرت حکیم صاحبؒ بہت ہی بلند اخلاق کے مالک تھے ان کی ذرہ نوازی کا ایک واقعہ لکھ کر بات ختم کرتا ہوں۔گزشتہ سال مارچ میں میرے بیٹے مسعود احمد کا حفظ مکمل ہوا اس حوالے سے جامعہ میں ایک مختصر تقریب کا اہتمام تھا۔میری اگرچہ خواہش تھی کہ حکیم صاحبؒ اس تقریب میں شریک ہوں مگر ان کے ضعف، پیری اور بیماری کے پیش نظر میں نے ان کو دعوت دینا مناسب

نہیں سمجھا۔البتہ ان کے صاحبزادے جناب مسعود الرحمٰن صاحب سے ٹیلی فون پر شریک ہونے کی درخواست کی۔تا کہ حکیم صاحبؒ کی ایک طرح سے نمائندگی ہو جائے انہوں نے آنے کا وعدہ فرمالیا۔دوسرے دن عین تقریب کے دوران میں نے مجمع کے آخر میں ہل چل محسوس کی۔ادھر دیکھا تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی۔حکیم صاحبؒ کو کرسی میں اٹھا کر محراب کی جانب لایا جارہا تھا۔ان کی بلندی اخلاق کا اندازہ کریں کہ میں نے انہیں دعوت نہیں دی مگر پھر بھی اس حالت میں وہ تشریف لے آئے۔تقریب کے آخر میں بچے کی دستار بندی بھی انہی کے دست مبارک سے ہوئی اور اختتامی دعا بھی انہوں نے ہی فرمائی۔فرمایا تم نے تو دعوت نہیں دی مگر میں کب رہنے والا تھا۔ایسے بلند اخلاق کے مالک لوگ اب کہاں ملیں گے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

اللہ تعالیٰ جامعہ کو حکیم صاحبؒ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

☆ حضرت لقمان حکیم نے کہا جس آدمی میں دو خصلتیں ہوں اس سے لوگ محبت کریں گے۔ سخاوت اور لوگوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا

☆ جس میں دو خصلتیں ہوں اس کے پڑوسی اس سے محبت کریں گے کشادہ روئی اور نیک معاملہ

قصہ اک درویش کا

مولانا ذاکر حسن نعمانی صاحب

دنیا میں اس وقت دو قسم کے انسان ہیں مسلمان اور کافر۔ مسلمان تو ایمان اور اسلام میں شریک ہیں لیکن تفاوت درجات بھی موجود ہے۔ کفار کی بہت قسمیں ہیں مثلاً یہودی، عیسائی، سکھ، ہندو وغیرہ۔ مسلمان کی بڑی بڑی چار قسمیں ہیں۔ نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ انبیاء کرام کا سلسلہ تو اب منقطع ہو چکا ہے لیکن صدیقین، شہداء اور صالحین کے وجود سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہتا ہے صدیقین سے مراد باطنی کمالات والے حضرات ہیں جن کو عرف عام میں اولیاء کہتے ہیں۔ انہی اولیاء اللہ میں بعض کو غوث، قطب اور ابدال وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ ان کا غم ہر وقت آخرت ہوتا ہے۔ فکر معاش اور دنیاوی بکھیڑوں اور چکروں سے کوسوں دور اور محفوظ رہتے ہیں۔ دنیا دار اور فکر معاش کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگ ان کو نادان اور پاگل سمجھتے ہیں حالانکہ اصل دانا اور عقل مند یہی حضرات ہوتے ہیں جسطرح حدیث میں آتا ہے، **الکیّس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت** عقل مند تو وہ ہے جو آخرت کی تیاری اور کامیابی والے اعمال کرتا رہے بعض اوقات یہ حضرات "**العقلاء المجانین**" کے نام مشہور سے ہو جاتے ہیں۔ دنیا والے ان کو پاگل اور نادان سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہی حضرات دانا اور بینا، عقل مند ہوتے ہیں۔ پشتو زبان کے عظیم صوفی شاعر رحمان بابا کہتے ہیں کہ دنیا کو نادان لوگوں نے آباد کر رکھا ہے۔ دانا و بینا دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ ایک شعر کا مفہوم ہے قلندر سکندر کو مچھر کا پر سمجھتا ہے، اے نادان تو مجانین کی ہوشیاری اور عقل مندی کو کیا جانتا ہے۔ کاروانِ آخرت کے درویشوں میں ایک درویش صفت انسان حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰنؒ تھے جن کا گزشتہ رمضان میں بروز پیر انتقال ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمعۃ المبارک کے دن انتقال بڑی فضیلت رکھتا ہے لیکن سنا ہے کہ اولیاء اللہ کی تمنا ہوتی ہے کہ دنیا سے پیر والے دن انتقال کریں کیونکہ حضور ﷺ کا یوم الوفات پیر کا دن ہے۔ مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے

میں پیر کے دن اپنے پاس بلالیا۔ اس طرح دونوں فضیلتیں آپ کو مل گئیں۔

حضرت مرحوم سہارنپور کے مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں کے بڑے بڑے اساطینِ علم اور اولیاء اللہ سے فیض حاصل کیا دورۂ حدیث وقت کے عظیم محدّث اور دارالعلوم دیوبند کے سابق مدرس اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے بالکل ابتدائی سالوں میں کیا۔ حضرت حکیم صاحب کے والدؒ ایک کامیاب، مشہور مدرس اور ولی کامل تھے۔ مرحوم نے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تدریس کے پیشے کو اپنایا اور بہت کامیاب مدرس ثابت ہوئے۔

آپ کا خاندانی پیشہ حکمت اور طبابت بھی ہے۔ اس لیے آپ تدریس کے ساتھ حکمت، طبابت اور امامت بھی کرتے رہے اس طرح گویا مخلوقِ خدا کی جسمانی اور روحانی تربیت کرتے رہے۔ ان تمام دینی سرگرمیوں کے ساتھ تبلیغی جماعت میں اندرون ملک اور بیرون ملک وقت لگایا۔ اور تبلیغی کام کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔ مردان مرکز کے تمام اکابرین کے ساتھ آپ کے گہرے روابط تھے۔ آپ کے خاندان کے اکثر افراد عملاً تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہیں آپ کے جنازہ میں بھی بڑی کثیر تعداد میں تبلیغی جماعت والوں نے شرکت کی۔

علم دوستی:

ایک عالم ہونے کی حیثیت سے آپ کو علم دین کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک بیٹا آپ کا قاری اور حافظ ہے۔ دوسرے بیٹے شریف النفس دیندار ہیں اور چھوٹا بیٹا آپ کا دلی تمنا اور کراماتی دعاؤں سے عالم بنا، تخصص کیا اور اب جامعہ عثمانیہ پشاور میں اُستاد حدیث اور نائب مفتی ہے۔ ممکن ہے قارئین کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ کراماتی دعاؤں کا کیا مطلب، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے عالم بیٹے مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کو انجینئر بنانے کے لیے پورے خاندان کا سو فیصد منصوبہ تھا۔ وسائل بھی مہیا تھے۔ کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن حضرت مرحوم دل و جان سے اس کے خلاف تھے آپ نے صرف دعا کے ذریعے مقابلہ کیا۔ آپکی دعا اور اس مقابلہ میں تمام خاندان

کی عملی کوششیں، وسائل اور منصوبے فیل ہو گئے اسی طرح اپنے گاؤں میں ایک لڑکے کو ابتداء سے دورہ حدیث تک اپنے خرچے سے پڑھایا اب وہ اللہ کے فضل سے عالم ہے جذبہ صرف یہ تھا کہ میں کسی کو عالم بناؤں بحمد اللہ ایک بیٹا عالم و مفتی بن گیا۔ ایک نواسا بھی عالم اور مفتی بن گیا دیگر نواسے، نواسیاں، پوتے اور پوتیاں علم دین حاصل کر رہے ہیں مستقبل میں ان شاء اللہ یہ خاندان علمی خاندان بن جائے گا۔

علم پروری:

جامعہ عثمانیہ کی یوم تاسیس کے بعد شیخ القرآن والحدیث حضرت العلامہ مولانا سید شیر علی شاہ مدنی مدظلہ کچھ عرصہ کے لیے اس کے سرپرست اعلیٰ رہے اس کے بعد حضرت حکیم مولانا لطف الرحمٰن صاحب مرتے دم تک سرپرست اعلیٰ رہے۔ چونکہ آپ جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ اس لیے آپ نے جامعہ کی ہر قسم کی سرپرستی فرما کر سرپرستی کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ یہ ریکارڈ توڑنا مشکل ہے آپ کے جانے کے بعد جامعہ کو اب ایک نئے سرپرست کی تلاش ہے۔ جن لوگوں نے آپ کی سرپرستی کا سنہری اور روحانی دور دیکھا ہے ان کو اب اس کا نعم البدل نظر نہیں آ رہا ہے چنانچہ سب ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہے ہیں لیکن کسی پر نظر ٹکتی نہیں میں نے تو ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ سے درخواست کی کہ یہ منصب بھی اب آپ خود سنبھال لیں۔ جہاں تک جو بات میں نے نوٹ کی ہے تو آپؒ نے تین طریقوں سے سرپرستی فرمائی ہے۔

مالی سرپرستی:

آپ نے طیب خاطر کے ساتھ اپنا مال اور ترغیب کے ساتھ رشتہ داروں کا مال جامعہ کی خدمت میں پیش کیا ہے شوریٰ کے اجلاس کے دن شوریٰ والوں، مدرسین اور طلباء کرام کو آپ اپنے خرچے سے پرتکلف دعوت کھلایا کرتے تھے۔

جانی سرپرستی:

آپ کمزور نحیف، ضعیف اور معذور تھے۔ باوجود اس کے آپ نے دور سے سرپرستی نہیں فرمائی بلکہ خود جامعہ کے ہر بڑے اجلاس اور تقریب میں شریک ہوتے تھے جس کی اپنی ایک برکت ہوتی تھی۔ دور سے دعائیں اور مشورے دینے والے تو بہت ہیں لیکن وقت نکال کر مکانی فاصلے ختم کر کے اپنے قرب کی وجہ سے روحانی فیض، برکات وتجربات سے کسی کو فیض یاب کرنے والے بہت کم ہیں۔ قرب، صحبت اور زیارت کی ایک الگ برکت ہے حضور ﷺ کی صحبت، قرب اور زیارت کسی کو زندگی میں اگر ایک مرتبہ میسر ہوئی ہے تو دنیا کے تمام اولیا اللہ اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ جامعہ کے تمام اجلاس اور تقریبات آپ کی وجہ سے روح پرور بن جاتیں۔

دعا کے ذریعہ سرپرستی:

ہر اجلاس اور تقریب میں اختتامی دعا آپ ہی کی ہوتی تھی حضرت بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ ہم نے آپ کی دعاؤں کی برکت اور اجابت کو خوب اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ جامعہ کی دینی تقریبات کی دعاؤں کے علاوہ جامعہ کے لیے آپ کی غائبانہ دعائیں بہت زیادہ ہوتی تھیں جو حضرت تہجد کے علاوہ دیگر خاص اوقات میں فرماتے تھے جامعہ کے سدابہار اور ثمر بار باغ میں یقیناً آپ کی دعاؤں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

خاندانی شرافت:

دنیا میں اس وقت شریف خاندانوں کی کمی نہیں لیکن آپ کا خاندان فطرتاً شریف واقع ہوا ہے اس خاندان کا ہر چھوٹا بڑا فرد شرافت اور حیاء کا مجسمہ ہے اور دینداری اس پر مستزاد ہے۔

عبادت:

علمی، تبلیغی، امامت اور طبابت والی زندگی کے ساتھ آپ نے خوب ذکر وفکر والی زندگی گزاری تلاوت زیادہ کیا کرتے تھے مسجد میں ایک الگ کمرہ تھا زیادہ وقت اس میں گزرتا تھا۔

جہاں بیٹھ کر آپ تلاوت ذکر اور نوافل وغیرہ پڑھتے تھے۔ اور اسی خلوت خانے میں دعائیں بھی مانگتے تھے۔ بعض لوگ خلوت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اللہ والے خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بناتے اور قائم رکھتے ہیں۔

علماء سے محبت:

علماء کرام سے بڑی محبت کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ معذوری کی وجہ سے علماء کرام کی زیارت کے لیے نہیں جا سکتا تو اللہ تعالیٰ خود ہی علماء کرام کو میرے ہاں بھیج دیتے ہیں علماء کرام ان کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔ لیکن ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ میں ان کی زیارت کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ایک سعادت گھر بھیج دی۔ یہ ان کی تواضع بھی تھی۔ ورنہ ظاہر بات ہے اتنے بڑے عالم اور ولی اللہ کے در پر حاضری دینے والے ضرور ان کے مقام بلند کو جانتے اور سمجھتے تھے۔

مہمان نوازی: مہمان کا اکرام تو مسلمانوں کی ذمہ داری اور ایمانی علامت ہے لیکن اللہ والے اس ذمہ داری کو کچھ اسطرح نبھاتے ہیں کہ ریکارڈ قائم کر جاتے ہیں۔ آپ اور آپکا خاندان حد درجہ مہمان نواز ہے۔ جب بھی کوئی گیا تو خوب خاطر تواضع کی، ہم نے خود بھی یہ منظر ہر حاضری میں دیکھا۔

محبوب شخصیت: اگر کسی کے ساتھ اولاً خواص (علماء) اور ثانیاً عوام کی محبت ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص عنداللہ مقبول ہے آپ محبوب الخواص والعوام تھے۔ آپ کے پاس علماء اور مبلغین کی آمد و رفت ہوتی تھی اور سب آپ کو دل و جان سے چاہتے تھے آپ کے علاقہ کے عوام کی بھی آپ کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ آپ کے گاؤں والے آپ کو ٹوٹ کر چاہتے تھے ہر خوشی و غمی کے موقع پر آپ کی ایسی خدمت کرتے تھے جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے کفن و دفن کی آپ کے علاقہ کے عوام نے جو خدمت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

دنیا سے بے رغبتی:

مال کے ساتھ محبت فطری چیز ہے اس لیے کسب مال جائز ہے لیکن حب مال اور حرص مال

ناجائز ہے حضرت مرحوم حب مال حرص مال والے اور کثرت مال والے نہ تھے اپنی اولاد کی تربیت بھی اس نہج پر کی ہے۔ میرے نزدیک اللہ والوں کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ مال کے حریص اور پجاری نہیں ہوتے، مباحات کی کثرت سے دور بھاگتے ہیں، کیونکہ کثرت مباحات ایک زبردست روحانی بیماری ہے جس کی وجہ سے آدمی ننانوے کے پھیر میں پھنس جاتا ہے حضرتؒ نے اپنی اولاد کو دنیا سے بے رغبتی کی یہی تعلیم دی ہے کیونکہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں۔

حضرت سے بندہ کا تعلق:

حضرت مرحوم سے تعلق جامعہ عثمانیہ اور آپ کے بیٹے مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کی وجہ سے پیدا ہوا۔ حضرت میرے استاد تھے نہ پیر اور مرشد لیکن مجھے ان کے ساتھ محبت زیادہ تھی اُن کی مستجاب دعاؤں کا بہت گرویدہ تھا۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے بعد مجھے ان کی دعاؤں پر بڑا یقین ہوتا تھا کہ انکی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں کبھی دور سے دعا کا پیغام بھیجتا کبھی در پر حاضر ہو کر دعاؤں کی درخواست کرتا۔ اور کبھی اپنے بچوں کو بھی ساتھ لیجاتا تا کہ ان کے لیے بھی حضرت دعا فرمائیں دعا بڑی پُر خلوص ہوتی تھیں ۔ جن کے اثرات اور برکات بارہا محسوس کیے۔ انتقال سے ایک روز قبل آپ کی زیارت کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن نہ جاسکا دوسرے دن پتہ چلا کہ حضرت واصل بحق ہو گئے ہیں اور یہ خواہش دل میں رہ گئی۔ اور یہ زیارت پھر مجھے ان کے کفن میں نصیب ہوئی اور نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ دفن کے بعد قبرستان میں کچھ دیر کے لیے وعظ و نصیحت کے کلمات کہنا مستحب ہیں ایسے موقعوں پر عموماً حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب وعظ و نصیحت فرماتے ہیں۔ چونکہ آپ عمرہ کے سفر پر تھے۔ اس لیے میرا نام تجویز ہوا۔ اگر چہ میں خود وعظ و نصیحت کا محتاج ہوں، لیکن اپنی اصلاح کی نیت سے قبرستان میں موجود علماء، طلباء، صلحاء اور مبلغین کے مجمع کے سامنے کچھ ناصحانہ اور واعظانہ کلمات کہنے کی سعادت بھی مل گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو اپنے جوار رحمت میں ہمیشہ کے لیے رکھے۔ اور ان کی زندگی بھر مانگی ہوئی دعاؤں سے ہمیں زندگی بھر مالا مال فرماتا رہے۔ (آمین)

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

حضرت مولانا محمد شعیب صاحب

آج سے تقریباً دس سال قبل کی بات ہے۔بندہ جامعہ عثمانیہ کی تقریب یوم سرپرستاں میں شریک تھا۔محفل اپنے اندر تمام تر رعنائیوں کو سمو کر انتہائی لگن اور جذبے سے جاری تھی۔دفعۃً مجمع میں ایک ارتعاش پیدا ہوا۔نگاہیں کسی شخصیت کی طرف اٹھ رہی تھیں۔لوگوں کے جم غفیر میں ہل چل مچ گئی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک سفید پوش اور فرشتہ صفت انسان چہرے پر خوب صورت اور سنجیدہ تبسم سجائے ہوئے اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔میری نظریں راستے میں حائل رکاوٹوں کو توڑتی ہوئی ان کے چہرۂ انور پر مرکوز ہوئیں۔اس وقت عجیب منظر تھا۔میرا دل سینے کے اندر دھڑک رہا تھا۔جبکہ میرا چہرہ اور نگاہیں دل کی ترجمانی کر رہی تھیں۔دھیرے دھیرے محفل اپنے اختتام کو پہنچی اور آخر کار بندہ کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔یقین نہیں آرہا تھا۔کہ اس گئے گزرے دور میں بھی کوئی شخص اتنا پارسا ہوسکتا ہے۔میرے دل نے گواہی دی کہ یہ شخص ولایت کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہے۔میں نہایت یقین سے کہتا ہوں کہ زندگی میں، میں ایسے دو اشخاص سے ملا ہوں جن سے مجھے عجیب وغریب روحانی خوشبو محسوس ہوئی۔یہ خوشبو میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ایک میرے والد ماجدؒ اور دوسرے حضرت حکیم صاحبؒ۔

ایک عجیب بات:

زندگی کے نشیب وفراز اور زمانے کے بوقلمونیوں سے واقف ہوکر میں انتہائی یقین سے یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت حکیم صاحبؒ سے ملاقات کے دوران میں نے دو باتیں بہت شدت سے محسوس کی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ میں جب بھی ان سے ملتا۔مجھے چین وسکون مل جاتا۔ایک روحانی فرحت اور خوشی نصیب ہوتی۔جسے پاکر میں دنیاوی بکھیڑوں کے درمیان پھنس کر بھی خود کو پرسکون پاتا۔

دوسری بات یہ کہ انکی محفل دعا میں بندہ نے اللہ کے حضور التجاؤں کی جتنی درخواستیں پیش کی، قبول ہوئیں۔ اور یہ کسی ایک وقت، ایک دن یا ایک محفل کی بات نہیں بار ہا ایسا ہوتا رہا۔ اور میں ہمیشہ اس اشتیاق میں رہتا کہ کاش انکی محفل دعا کے پر کیف لمحے نصیب ہوں۔

پانچ نرالے اشخاص:

اپنی پوری زندگی میں بندہ نے پانچ ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جن سے میں روحانی طور پر بہت ہی متاثر ہوا۔ ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے ایک دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب، دوسرے جامعہ امداد العلوم کے بانی حضرت مولانا فقیر محمد بکائی صاحب، تیسرے حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب، چوتھے میرے والد محترم اور آخری شخصیت حضرت مولانا لطف الرحمٰن صاحب رحمھم اللہ تھے۔ جن کے اخلاص وتقویٰ، عجز وانکساری اور علم وعرفان نے مجھے متاثر کیا۔

حرف آخر:

حضرت حکیم صاحبؒ عمومی طور پر ایسے شخص تھے جن پر اکابر علماء کا اعتماد رہا۔ ہم عصر علماء کے لیے مرجع تھے۔ باوقار شخصیت کے حامل اس نمونہ اسلاف اور پیکر علم وعمل کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا حسن جان مدظلہ سے میں نے سنا کہ دارالعلوم اکبر پورہ وان میں دوران تدریس عصر کے وقت ہم حضرت حکیم صاحبؒ کے ہاں ضرور جاتے۔ ان کی خاطر مدارات، اخلاص اور مفادات سے پاک تعلق نے ہمیں کہیں اور جانے نہیں دیا۔

میں ان کے ساتھ جب بھی ملتا میرے، میرے بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کے متعلق خبر گیری فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرقد انور کو جنت کا ایک باغ بنائے اور ان کی وفات سے ہمیں جو روحانی صدمہ پہنچا ہے اس کی تلافی فرما کر حضرت مفتی صاحب اور جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ وطلبہ، حضرت کے معتقدین وتلامذہ اور خاندان کے سوگواران کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ خلائق آمین باد

بلند پایہ علمی شخصیت

حضرت مولانا تحمید اللہ جان صاحب مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ ہمارے مخدوم ومکرم اور جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار اور بلند پایہ عالم دین تھے۔ پہلی دفعہ جب میں نے ان کو دیکھا تو ان کو خلوص وللھیت کا ایک مجسمہ پایا۔ موجودہ زمانے میں ان جیسے با اخلاق اور عجز وانکساری کے پیکر کا وجود اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ہماری پہلی ملاقات ان سے ان کے گاؤں تمبولک میں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی وساطت سے ہمیں دارالعلوم حقانیہ میں کمرہ ملا تھا۔ چونکہ مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں طلبہ کی نہایت کثرت ہوتی ہے۔ اس وقت جگہ کی تنگی کے باعث ہم مزاج ساتھیوں کے لیے کمرہ کے حصول کا پیچیدہ مسئلہ تھا جسے حضرت حکیم صاحبؒ نے حل فرمایا تھا۔ یہ کمرہ ہم چار ساتھیوں راقم الحروف کے علاوہ آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب حضرت مولانا حمید اللہ صاحب اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب راولپنڈی کو ملا تھا۔ اس پر ساتھیوں نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے گاؤں گئے۔ اور ان سے ملاقات ہوئی۔ جوں ہی ہم ان سے ملے۔ وہ فرمانے لگے، کہ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ بلکہ آپ حضرات سے ملاقات سعادت کی بات ہے۔ اور میرے لیے باعث فخر ہے۔ ایسا لگتا تھا۔ کہ موصوف نے انکسار نفسی میں حد کردی اور ہمارے ملنے پر افتخار کی انتہا کردی باوجودیکہ آپ مرحوم کی نشست وبرخاست علم کے مایہ ناز شخصیتوں کے ساتھ تھی۔ اور خود کو نہایت ادنیٰ خیال کرتے تھے۔ بہرصورت ہم ان سے جب بھی ملتے ایک عجیب کیفیت کیساتھ واپس لوٹتے تھے۔ پچھلے سال جب بیماری کی وجہ سے وہ شوریٰ میں تشریف نہیں لائے تو ہم ان کی عیادت کے لیے چلے گئے۔ جب ملاقات ہوئی۔ تو میں نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ یہی میری دلی خواہش تھی۔ انکی علالت وضعف دیکھ کر ہم نے کہا کہ جب کسی کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیاوی تکالیف میں مبتلا کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ نہیں میں بہت کمزور آدمی ہوں میرا

مرتبہ کچھ نہیں ہے مرتبہ تو ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے نیک اعمال ہوں میرا تو کوئی عمل نہیں اور آپ لوگ بڑے مرتبے کے ہیں اور خوش قسمت ہیں۔ اس لیے کہ دن رات طالب علموں کے ساتھ تعلیم و تعلم میں مشغول و مصروف ہیں یہی ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد انکے جنازہ میں شرکت کی اللہ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

قال السفیان الثوریؒ العالم طبیب ھذہ الامۃ والمال داء ھا فاذا کان یجری الداء الیٰ نفسہ فکیف یعالج غیرہ.

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ عالم اس امت کا طبیب ہے اور مال اس امت کی بیماری ہے جب وہ اپنی بیماری کو کھینچتا ہے۔ تو کسی اور کا کیا علاج کرے گا۔

(ھدایۃ المسترشدین)

اسلاف کا نمونہ

حضرت مولانا قاری احسان الحق صاحب مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور

دنیا میں دو ہی قسم کے لوگوں سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ایک وہ ہیں جن کا لگاؤ و میلان دنیا کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے ہر وقت دنیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اگر کوئی تاجر ہے تو وہ اپنی تجارت کی تعریف لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے زمیندار اپنی زمینداری، سیاستدان اپنی سیاست الغرض ان سے دنیا اور دنیا کی محبت ٹپکتی ہے۔اور ایک وہ لوگ ہیں جن کا وقت علماء، اولیاء اور مدارس میں گزرا ہو۔جن کا لگاؤ اللہ ہی کے ساتھ ہو۔ان کا ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد میں گزرتا ہو۔تو ان کا ہر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوتا ہے۔یہ سب کچھ صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔انسان ماحول اور صحبت کا اثر بہت جلد قبول کرتا ہے۔نیک صحبت انسان کو نیک بناتی ہے اور بری صحبت انسان کو برا بناتی ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

سعادت مند انسان وہ ہے جو نیک صحبت کا صحبت یافتہ ہو ہمارے محترم و مکرم حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ اس دوسرے باسعادت جماعت کی صف اول میں شمار ہوتے تھے۔ان پر اپنے اسلاف کی صحبت کا سایہ بدرجہ اتم موجود تھا۔گویا انہوں نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کی ہر ہر ادا اور عمل کو حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔پہلے زمانے میں شاگردوں کو اصحاب کا لقب دیا جاتا تھا یعنی کہا جاتا کہ یہ اصحاب الشافعی، اصحاب الاحناف وغیرہ ان کو یہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے اساتذہ کے عکس و پرتو ہوتے تھے۔اسی طرح ہمارے سرپرست اعلیٰ بھی اپنے اساتذہ کا پرتو اور نمونہ تھے۔

ان کے ساتھ ملاقات کا شرف تو جامعہ عثمانیہ میں نصیب ہوتا رہتا تھا۔لیکن ایک ملاقات جو نہ بھولنے والی ہے جس سے بندہ بہت متاثر ہوا وہ ان کی بیٹھک میں ہوئی تھی۔جس سال یہ عمرہ

ادا کرنے کے لیے حرمین شریفین گئے پھر حج ادا کر کے آئے تھے ہم تین ساتھی یعنی حضرت مولانا تحمید اللہ جان صاحب، حضرت مولانا حمید اللہ جان صاحب اور راقم الحروف حج کی مبارکبادی اور دعا کی درخواست کے لیے گئے تھے۔ان کی تواضع اور عجز و انکساری اس سے ظاہر ہو رہی تھی کہ یہ ہمارے ساتھ نیچے فرش پر تشریف فرماتے۔باوجودیکہ دیوبند اور سہارنپور کے نامور اور مایہ ناز شخصیات کے صحبت یافتہ تھے۔انہوں نے حرمین کے خدام کا تذکرہ کیا کہ وہ کس طرح حرمین کی صفائی کرتے تھے۔ بہت ہی مزے لے لے کر خوبصورت انداز میں بیان کیا۔"جب کسی جگہ کی صفائی کرتے یا کوئی جگہ خراب ہو جاتی تو فوراً صفائی والے اس کیفیت اور انداز میں پہنچ جاتے کہ کوئی سرف ملا پانی ڈالتا، کوئی رسی باندھ لیتا ہے۔کوئی وائپر کے ذریعے اس کو خشک کرنے میں دوڑ لگاتے اور ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کرتے"۔انکے انداز بیان کا خاکہ اب بھی میرے ذہن میں مستحضر ہے۔انکے ہاتھوں کے اشارے اور خادمین کی نقلیں کہ وہ اسطرح ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں نے انکے اوصاف میں جو سب سے اونچی صفت محسوس کی۔وہ تواضع اور عجز و انکساری تھی۔جو تمام اوصاف کا منبع اور سرچشمہ ہے۔خود انکے اس حرمین شریفین کے خادموں کا تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے۔کہ تبحر علمی کے باوجود علمی مباحث و گفتگو سے ہٹ کر صرف خادموں کی خدمت ہی کا تذکرہ فرمایا۔

اسی ملاقات میں پھر انہوں نے اپنے اساتذہ کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہمارے ایک استاد تھے۔جو طوطی ہند سے مشہور تھے۔جس کا نام حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تھا۔انہوں نے معراج پر تقریر کی تھی۔جو مجھے لفظ بہ لفظ یاد ہے۔حضرت سرپرست ان دو حدیثوں کے امتزاج تھے۔ایک یہ کہ"اذا رؤا ذکر اللہ" اور "قل الخیر والا فاصمت"۔حضرت حقیقی ولی اللہ تھے۔جب ان پر نظر پڑتی تو اللہ یاد آجاتا اسی طرح خاموش طبع بھی تھے۔اگر بات کرتے یا تو اساتذہ کا تذکرہ فرماتے یا صحابہ کے واقعات بیان کرتے ورنہ خاموش رہتے۔

حضرت موصوف کا جامعہ عثمانیہ کے ساتھ اتنا گہرا اور عمیق تعلق تھا۔ کہ اپنی ہر مستجاب دعا میں جامعہ کی ترقی کو بھول نہ پاتے نیز اپنی تقریر میں جامعہ اور جملہ اساتذہ کرام و متعلقین ومعاونین کو اچھی خراج عقیدت پیش فرماتے اور ہمہ تن جامعہ کی فکر میں مگن رہتے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم مغفور کا ایک اچھا نعم البدل جامعہ کو نصیب فرمائے۔ تاکہ جامعہ آئندہ بھی دن دگنی رات چگنی ترقی پر گامزن رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو انکی دینی خدمات کا اجر جزیل عطاء فرمائے اور ہمیں انکی نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

نثار سید الکونین پر میرے ماں باپ
سبق دیا بھی تو کیا لا الٰہ الا اللہ
میں اس چمن میں غریب الدیار ہوں شورش
میری دعائے رسا لا الٰہ الا اللہ

قابل رشک شخصیت

حضرت مولانا سید مدثر شاہ صاحب مدرس جامعہ عثمانیہ گلشن عمر

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد:

اکابر کی موجودگی اور سرپرستی اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نعمت ہے ان کی سرپرستی اپنی آغوش میں راحت وسکون اور روحانی برکات کاوہ بحربیکراں سموتی ہے جسکی بدولت تمام معاملات مسائل و مشکلات میں آسانی پیدا ہوتی رہتی اور حالات واحوال میں ایک چین وسکون کا سماں ہوتا ہے لیکن جب یہ سایۂ رحمت ایک دفعہ سر سے اٹھتا ہے تو پھر چپہ چپہ سے اس کا بھرپور احساس ہوتا رہتا ہے۔ابھی ابھی گذشتہ رمضان المبارک میں جامعہ عثمانیہ ایک عظیم شخصیت جناب حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ کی رحلت پر ان کی ظاہری وباطنی سرپرستی سے محروم ہوکر رہ گیا ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ مظاہرالعلوم سہارنپور کے فاضل، جید عالم دین تھے۔اور علماء ومشائخ ہند کے سندیافتہ اور انہی کے فیض یافتہ جلیل القدر بزرگ تھے ابتداہی سے تا آخردم حیات جامعہ کی انتہائی قابل رشک سرپرستی فرماتے رہے۔

بندہ نے اب سے تقریباً پانچ سال پہلے ان کو جب ضعف وبیماری کے باوجود جامعہ کی تقریب میں تشریف لاکر جس دینی جذبہ سے سرشار پایا۔تو بے اختیار ان کی ہمت پر مجھے رونا آیا اور اُن سے مصافحہ کرنے کی ایک ایسی عقیدت مندانہ خواہش پیدا ہوئی کہ حاضرین کے ایک جم غفیر کے باوجود انکی نشست تک پہنچ کر ملاقات نصیب ہوئی۔

اس پہلی نظر پہلی ملاقات کا عالم
کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے

تقریب کے اختتام پر حضرت حکیم صاحبؒ کی پرنور دُعا نے ایسی رقت طاری کی کہ ان کے چند خاص کلمات تو لوحِ قلب پر ہمیشہ کے لیے نقش ہوگئے اور پھر جب بھی ان کی دعا ہوتی تھی تو مجھے ان خاص کلمات کا انتظار ہوتا تھا جن کا مفہوم میں اپنے الفاظ میں یوں ادا کرتا ہوں۔

اے اللہ ہم نے تو اپنی زندگی کے قیمتی اوقات ضائع کر دیئے ہیں تو ہی رحیم وکریم ہے ہمارے پاس اعمال صالحہ کا فقدان ہے۔خالی ہاتھ ہیں اے اللہ تو ہی ہم پر اپنا رحم فرما اے اللہ ہم واقعی گناہگار ہیں ہمارا دامن آلودہ ہے

تو ہی اپنی خصوصی رحمت سے نوازے۔اللّٰھم سھل له سفره سفراخرته وادخله جنتک جنة الفردوس واجعله فی اعلی علیین وارحمه رحمة واسعة کاملة سرمدیة کما یلیق بشانک (آمین وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد علی اله وصحبه اجمعین.)

الدنیا کحلم النائم

دنیا سوئے ہوئے آدمی کا خواب ہے پس دنیا حاصل کرنے کی خواہش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں کچھ مانگے۔اور اسے دے دیں انجام کار جب وہ بیدار ہوتا ہے تو خواب میں اس نے جو کچھ کھایا تھا اس کا اسے کچھ فائدہ نہیں ہوتا پس اس نے خواب میں ایک چیز مانگی ہوگی۔اور وہ اسے دے دی گئی ہو۔

(ملفوظات رومی)

باکمال مردمؤمن

حضرت مولانا حمید اللہ جان صاحب مدرس جامعہ عثمانیہ پشاور

زمانہ طالب علمی میں ایک دن صبح کے وقت دارالعلوم حقانیہ میں درخت کے چھاؤں میں بیٹھے تکرار و مطالعہ میں مصروف تھے۔ کہ اتنے میں اپنے ایک پرانے دوست (مفتی) نجم الرحمٰن صاحب پر نظر پڑی۔ ساتھ ہی ایک فرشتہ صفت انسان بھی دکھائی دیا جوان کے آگے آگے پروقار انداز میں چل رہے تھے۔ بندہ نے اپنے ساتھیوں سمیت کھڑے ہوکر بے ساختہ اس بزرگ سے مصافحہ کیا۔ اور اپنے دوست سے گلے ملا ان بزرگ کے ساتھ مصافحہ کرنے سے میرے دل میں ان کے لئے محبت اور عقیدت کے جو جذبات پیدا ہوئے انکو الفاظ کا جامہ پہنانا مشکل ہے۔ مفتی نجم الرحمٰن صاحب سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بزرگ ان کے والد محترم ہیں۔ جو دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے مایہ ناز طالب علم رہ چکے ہیں۔ اور دارالعلوم حقانیہ کے نامور وقدیم ترین فضلاء میں سے ہے۔ اور انکا اسم گرامی مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب ہے۔ جو میرے داخلہ کے سلسلہ میں تشریف لائے ہیں۔ ابتدائی ملاقات کے بعد جب بات چیت کا موقع ملا تو عقیدت کے جذبات میں مزید اضافہ ہوا اس لیے کہ حضرت کی ہر ادا انتہائی عاجزانہ اور فقر و مسکنت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اور جب داخلہ ہو چکا اور آپ واپس جانے لگے تو اپنے صاحبزادے کو کچھ رقم دے کر ارشاد فرمایا کہ اس سے اپنے ان ساتھیوں کی دعوت کرو۔ چنانچہ ان کی سخاوت کی اس ادا نے بندہ کے تاثرات میں اور اضافہ کیا۔ یہ تو تھی پہلی ملاقات کی مختصر سرگزشت۔ اس کے بعد ہمیں بارہا ان کی خدمت اقدس میں حاضری کا موقع ملا اور حضرت کی زندگی کے کئی اور قابل ستائش خوبیوں سے آگاہی حاصل ہوئی۔ ان میں سے ایک نمایاں صفت انکی تقوی وطہارت اور زہد وغنا تھی۔ آپ اپنے معمولات کے انتہائی پابند تھے۔ آپ کے صبح سے لیکر شام تک کے معمولات سنت نبوی کے مطابق تھے۔ رمضان المبارک میں اکثر پورے ماہ کا اعتکاف کر لیتے تھے۔ احیاء العلوم وغیرہ کتب سے تمام مسنون دعائیں نکال کر ان کو اپنا معمول

بنایا تھا۔

بعد میں جب بندہ کی تقرری جامعہ عثمانیہ میں مدرس کے حیثیت سے ہوئی تو حضرتؒ چونکہ جامعہ کے سرپرست اعلیٰ تھے۔اس لیے ان کے ساتھ تعلقات میں مزید اضافہ ہوا آپؒ جامعہ عثمانیہ کے سرپرست کی حیثیت سے ہمیشہ جامعہ پر عنایات واحسانات فرماتے رہے ہروقت دعاؤں میں جامعہ عثمانیہ کویاد فرماتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتھم کا جب بھی تذکرہ آتا تو فرمایا کرتے کہ جب کوئی شخص عظیم اور بے مثال ہوتو اللہ تعالیٰ ان کو ساتھی بھی مخلص اور بے مثال عطاء فرماتے ہیں۔حضرت محمد ﷺ عظیم الشان اور بے مثال تھے اسی بناء پر صحابہ کرام بھی اللہ تعالیٰ نے بے مثال دیئے چونکہ حضرت مفتی صاحب بے مثال اور بڑے آدمی ہیں اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اساتذہ بھی بے مثال اور مخلص عطا کئے ہیں۔

بہر حال اس عظیم ہستی کے انتقال کے وقت جامعہ عثمانیہ خصوصاً اور ان کے معتقدین ومتعلقین عموماً ان کے عظیم فیض سے محروم ہوگئے اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے۔آمین

من غلب عقله شهوته فهو اعلیٰ من الملائكة و من غلب شهوته عقله فهو ادنیٰ من البهائم

جس نے اپنی عقل کو شہوت پر غالب کیا۔وہ فرشتوں سے بھی برتر ہوا۔اور جس نے اپنی شہوت کو عقل پر غالب کیا۔وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوا۔

سرپرستی اور ترقی جامعہ ایک ساتھ

مولانا خلیفۃ اللہ صاحب مدرس جامعہ عثمانیہ

ڈھونڈیں ہم اب نقوش سُبک رفتگاں کہاں ؟
اب گردکارواں بھی نہیں ، کارواں کہاں ؟

بندہ ناچیز اکتوبر ۲۰۰۱ء کو جب جامعہ عثمانیہ اور ادارہ ماہنامہ "العصر" سے منسلک ہوا، تو مجلہ "العصر" کے ٹائیٹل کے اندورنی صفحے کے سرورق پر حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے ساتھ سرپرست اعلیٰ کا لفظ دیکھتے ہی ایک عظیم طبعی تأثر کا شکار ہوا، کیونکہ لازمی بات ہے کہ فارسی کا یہ لفظ "سرپرست" ایک ہمہ گیر معنی کی طرف مشیر ہے۔ جو تمام محامد اور اوصاف وکمالات کو حاوی ہے۔ اس وقت مرحوم سے میرا رسمی رشتہ یا تعلق تلمذ نہ ہونے کے باوجود بھی قلب میں ایک عجیب کیفیت والی قدر ومنزلت پیدا ہوئی اور ان کی دیدار مبارک کے لیے میری آنکھیں ترسنے لگیں۔ میرا ذہن ان کو پرخلوص خدمات، مجاہدانہ عزم وعمل اور تواضع وللّٰھیت سے سرشار ہردلعزیز شخصیت کا مالک تصور کررہا تھا۔ جب جامعہ کی ایک پررونق تقریب میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو میرے ذہن کا تصور میری نگاہ کے سامنے مجھے نظر آنے لگا۔ یہ کیوں نہ ہوتا اس لیے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند اور مظاہرالعلوم سہارنپور دونوں سے اکتساب فیض کیا تھا۔ دونوں اداروں کے اہل اللہ کی صحبت اور انکے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے تھے۔ جس سے ان کو علم کی حقیقت کے ساتھ قلب کو بھی سوز وگداز نصیب ہوا تھا۔ جہاں تک کتابی معلومات اور فنی تحقیقات کا تعلق ہے۔ ان کے شناساوروں کی اب بھی اتنی کمی نہیں ہے لیکن سادگی وقناعت، تقوی وطہارت اور تواضع وللّٰھیت کے حامل نفوس بہت قلیل ہوتے ہیں، حضرت حکیم صاحب نوراللہ مرقدہ علم وفضل اور خشیت وانابت میں ان کامیاب نفوس میں سے شمار ہوتے تھے جو قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

مولانا نوراللہ مرقدہ کی ذات بابرکت سے دوسرا تأثر میں نے یہ لیا، کہ جامعہ عثمانیہ کی

دن دگنی رات چگنی ترقی ان کی اعلیٰ سرپرستی کی مرہون منت تھی۔ ان کا وجود مبارک، ہمہ تن نگرانی و خبر گیری اور مستجاب دعائیں جامعہ کی ترقی وعظمت کو چار چاند لگا دیے۔ جامعہ کے ہر اہم منصوبہ کی سرانجامی میں ان کی دعاوں کا مخفی اثر شامل تھا۔ گویا انکی سرپرستی اور جامعہ کی ترقی ایک حسین امتزاج کے ساتھ چل رہی تھیں۔

بے شک ان کے آفتاب زندگی کے غروب ہونے سے تمام لوگوں کو اندھیرا محسوس ہوا ہوگا ہر وہ شخص، جس کے دل میں علم ودین کی کچھ قدر و قیمت ہو ان کی وفات اس کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے فیوض سے مستفید ہونے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور جامعہ کو ان کی سرپرستی کا نعم البدل نصیب فرمائے۔

تم کیا گئے کہ رونق ہستی چلی گئی۔

☆ جو شخص اپنے دوستوں کی ہر خطا پر عتاب کرے اس کے دشمن بہت ہونگے۔

☆ حکمت ایک درخت ہے جو دل سے اگتا ہے اور زباں سے پھل دیتا ہے۔

وہ رشکِ ملائک، فخرِ خلائق

(محمد یحییٰ تخصص سال اول)

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں دنیا میں موت سے زیادہ متفق علیہ حقیقت شاید ہی کوئی اور ہو۔ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت کا کڑوا گھونٹ پینا ہے اس قانون سے کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، مؤمن نہ کافر، شاہ نہ گدا، چھوٹا نہ بڑا، عالم نہ جاہل، نیک نہ بد۔ ہر ایک کے لیے رخت سفر باندھنے کا ایک وقت مقرر ہے جس پر وہ ضرور کوچ کرے گا اور اس فانی دنیا کو الوداع کہہ کر راہی راہ آخرت بنے گا۔ لیکن کوچ کرنے والوں میں سے کچھ ایسی خوش بخت ہستیاں بھی ہوتی ہیں۔ جن کے انفاس قدسیہ پر شرافت ناز کرتی ہے ان کے نورانی چہروں کا نظارہ اللہ تعالیٰ کی یاد کا ذریعہ بنتا ہے وہ "اذارؤا ذکر الله " کے صحیح مصداق ہوتے ہیں ان کی محفل میں حاضری سے جسم وروح کو سکون اور اطمینان ملتا ہے۔ وہ علم وعمل کے سنگم اور اخلاص وتقویٰ کے مجسم نمونہ ہوتے ہیں۔ بولتے ہیں تو موتی رولتے ہیں۔ مسکراتے ہیں تو کلیاں بکھیرتے ہیں۔ ان کی آہ وفغاں آسمان پر فرشتوں کو رلاتی ہے۔ اور تقدیر کے فیصلے بدلتی ہے۔ زندہ قومیں ان کی ضیأ پاشیوں سے مستفید ہوتی ہیں۔ اور مردہ دلوں کو ان کی صحبت سے جلاملتی ہے۔ وہ اپنی ظاہری اور باطنی کمالات میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ اس دار فانی کو وہ بھی چھوڑتے ہیں۔ لیکن اس انداز سے کہ ان کے جانے سے بستی کی بستیاں ویراں اور ہزاروں لاکھوں دل پریشاں ہوجاتے ہیں۔ گلشن علوم نبوت اجڑ جاتا ہے اس کی رعنائیاں ماند پڑجاتی ہیں اور اس کی نوخیز کلیاں مرجھانے لگتی ہیں۔ انہی مقدس ہستیوں میں سے ایک ہستی دارالعلوم دیوبند کے پروردہ، مظاہر العلوم سہارنپور کے روحانی فرزند، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اولین فاضل اور جامعہ عثمانیہ پشاور کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ بھی تھے جو ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۷ کو اپنے اخلاف کو یتیم چھوڑ کر اسلاف سے جا ملے۔ انّ للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ باجل مسمیٰ۔

مرحوم کواللہ تعالیٰ نے جن قدسی صفات سے نوازا تھااس کی نظیراس پرفتن دور میں ملنا مشکل ہے وہ علم کا خزانہ اور عمل کا نمونہ تھے حسن صورت اور حسن سیرت کے مظہر، عبادت، تقوی اور پرہیز گاری کے مجسم پیکراور سخاوت وفیاضی میں اپنی مثال آپ تھے۔ان کی ملاقات کا شرف بندہ کوسب سے پہلے ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء کوحاصل ہوا جب کہ وہ جامعہ عثمانیہ پشاور میں مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بطور صدر شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ دوران اجلاس تو ہم اپنے اسباق میں مصروف رہے لیکن جب اجلاس برخاست ہوااور حضرت کھانا کھانے کے لیے ایک کمرہ میں تشریف لے گئے۔ تو بندہ ان کی دیدار کے لیے کمرے میں حاضر ہوا جیسے ہی پہلی نظر پڑی تو دید شنید سے بڑھ گئی اور زیارت سماعت سے کہیں آگے نکل گئی۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ مجھ جیسے طفل مکتب سے بھی دونوں ہاتھوں کے ساتھ متواضعانہ انداز میں مصافحہ کیا اور حال احوال دریافت کئے۔

؎ جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں

میں ایک جانب ہوکر دوزانو بیٹھ گیا اور ان کی رخ زیبا کا نظارہ کرنے لگا ان کے چہرے کے اردگرد گویا نور کا ایک ہالہ بنا تھا جو ان کے نورانی چہرے کی چمک میں مزید اضافہ کررہا تھا وہ اہل مجلس کو اپنے قیمتی نصائح سے بہرہ ور فرما رہے تھے۔ چونکہ اکثر طالب علم ہی بیٹھے تھے اس لیے طلب علم کے آداب بیان فرما رہے تھے۔ انتہائی دل نشین انداز سے کتاب، تپائی، استاد، درس گاہ، اور مدرسے کے احترام کی ترغیب دے رہے تھے۔ سب حاضرین توجہ اور نہاک کے ساتھ گوش گزار تھے۔ اتنے میں کھانا لایا گیا تو حضرت نے اٹھ کر ہاتھ دھوئے پھر سنت طریقے سے بیٹھ کر کھانا تناول فرمانے لگے انکے ہر انداز سے سنت نبوی پر عمل درآمد نظر آرہا تھا۔ بندہ خدمت میں حاضر رہا۔ کھانا کھا کر آپ نے اپنے خدام کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ واپس جانے کا کیا پروگرام ہے؟ انہوں کہا کہ حضرت گاڑی تیار ہے۔ طلبہ نے دعا کی درخواست کی تو بخوشی قبول فرمایا اور تضرع اور عاجزی کیساتھ دعا فرمائی۔ اس دعا کے ساتھ یہ محفل برخاست ہوئی اور گویا

اک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

اس کے بعد حضرت کئی موقعوں پر جامعہ تشریف لائے بالخصوص یوم سرپرستان اور مجلس شوریٰ کے موقعوں پر ضرور تشریف لاتے اور جامعہ کو اپنے انوار و برکات سے مستفید فرماتے۔ عاجزی اور انکساری کا عالم یہ تھا کہ ولایت اور قرب الٰہی کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہونے کے باوجود اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں تو ایک حقیر اور عاجز بندہ ہوں جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ مجھ سے دھوکہ کھا گئے کہ مجھے سرپرست مقرر کیا اللہ تعالیٰ مجھے اسکا لائق بنادے"۔ وعظ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتے یا دعا کی درخواست کی جاتی تو اکثر فرماتے کہ "طلبہ تو اولیاء اللہ ہیں میں تو ایک حقیر بندہ ہوں خود ان کی دعاؤں کا محتاج ہوں مجھے کچھ نہیں آتا یہ آپ کا حسن ظن ہے" سخاوت اور فیاضی میں بھی اپنی مثال آپ تھے ہر سال جامعہ کے مجلس شوریٰ کا جلاس ہوتا تو حضرتؒ تمام اراکین، اساتذہ اور طلبہ کے لیے پر تکلف دعوت کا اہتمام فرماتے۔

آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرقد انور پر خاک ڈالنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ آپ سے فرماتے ہوئے سُنا کہ حضرت تھانویؒ کی وفات کے وقت ہم سہارنپور میں پڑھ رہے تھے۔ وفات کی خبر پہنچی تو ریل گاڑی کے ذریعے تھانہ بھون روانہ ہوئے۔ ہم پہنچے تو جنازہ ہو چکا تھا اور ہمیں صرف مرقد مبارک پر مٹی ڈالنے کا موقع ملا۔

آپؒ نے انتہائی حکمت اور بصیرت کے ساتھ علاقے سے بدعات و رسومات کا قلع قمع کیا علاقے کے سب عوام آپؒ کے گرویدہ اور عاشق تھے۔ آپؒ کے آنکھوں کا اشارہ ان کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ آپ نے کبھی کسی شخص سے اپنی ذات یا اپنے خاندان کے لیے مفاد کی توقع نہیں رکھی۔ ضلع مردان کے اکثر صاحب ثروت اور عہدیدار آپ کی مزاج پرسی کے لیے آپ کے خانوادہ میں حاضر ہوتے اور بااصرار خدمت کی درخواست کرتے لیکن حضرت نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی مفاد کا نہیں کہا۔ وہ اپنی تمام ضروریات اور حاجات کو محض اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرتے اور اس سے مدد و نصرت طلب فرماتے۔ جسکا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں ان کا حامی اور ناصر رہا کبھی کوئی مشکل لاینحل ثابت نہ ہوا اور نہ ہی کوئی ضرورت بے جا لگی۔

جامعہ عثمانیہ پشاور جو آج دینی جامعات کے صف اول میں شامل ہے۔اور حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور بقول مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم "یہ ادارہ قبل البلوغ ہی بالغ ہو گیا" اس میں حضرت حکیم صاحبؒ کی سرپرستی، نظر کرم، دل سوز دعاؤں اور خصوصی توجہات کا خاص دخل ہے۔آپؒ نے جامعہ کو اپنا ادارہ سمجھا اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب مدظلہم جامعہ کے مایہ ناز مدرس اور نائب رئیس دارالافتاء ہیں جو "الولد سر لابیہ" کے عملی نمونہ ہیں۔

حضرت حکیم صاحبؒ اخیر عمر میں کمزور ہو چکے تھے۔اور مختلف بیماریوں کے شکار رہے۔لیکن حتی الوسع اپنی خدمت آپ ہی کرتے چلنے پھرنے میں مشقت اٹھانی پڑتی تھی لیکن وہیل چیئر کے استعمال سے گریز کرتے تھے۔کئی مرتبہ فرماتے ہوئے سنا کہ "تم میری خدمت کرتے ہو تو اس سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ کوئی میری وجہ سے مشقت میں مبتلا نہ ہو اور میں کسی پر بار نہ بنوں" حالانکہ حقیقت تو یہ تھی کہ ہر شخص ان کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا اس میں بار بننے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
یہ آشیاں کسی شاخ چمن پر بار نہ ہو

آپؒ کی تمنا پوری ہوئی۔چنانچہ فوت ہونے تک ایسی بیماری لاحق نہ ہوئی۔جس نے آپ کو غیر اللہ کا محتاج بنایا ہو۔موت بھی ایسی نصیب ہوئی کہ ہر کوئی کو رشک آئے رمضان المبارک کے مہینے کی دوسری تاریخ کو افطار کے بعد حسب معمول نماز عشاء ادا کی اور پھر تراویح میں شریک ہوئے۔تراویح کے بعد گھر تشریف لائے تو برخورداران سے حرم مکی کی تراویح سننے کی خواہش کا اظہار کیا انہوں نے ریڈیو پر تراویح لگائی آپؒ بستر پر لیٹ کر تراویح سننے لگے اور اسی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی "فانا للہ وانا الیہ راجعون" اگلے دن ۲ بجے دوپہر کو نماز جنازہ کا وقت مقرر ہوا جس میں سخت دھوپ اور گرمی کے باوجود سینکڑوں کی تعداد میں علماء، طلباء، خدام اور عوام شریک ہوئے۔آپ کو اپنے آبائی گاؤں تمبولک میں سپرد خاک کیا گیا۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات عالیہ نصیب کرے اور ہم خدام پر تاحیات ان کی برکات کا سایہ رکھے۔" آمین یا رب العالمین"

تیری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے

محمد فہیم اللہ (درجہ سابعہ)

موت ایک اٹل حقیقت ہے ایسی حقیقت جس کی آغوش میں ہر انسان نے ایک دن پناہ لینی ہے۔ لیکن بعض لوگوں کی موت ہی کچھ عجیب ہوتی ہے جو اپنے پسماندگان کو ایک طرف اُداسی ودرماندگی سے دوچار کرتی ہے تو دوسری طرف اُن کو جینے کا طریقہ سکھا کر اُن کے لیے اُمیدوں کے چراغ روشن کر دیتی ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی شگفتہ یادوں کے شرارے ان کے دلوں میں چھوڑ کر داعیٔ اجل سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔

انہی بزرگ ہستیوں میں ایک درخشاں ستارہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر وقف کر رکھی تھی۔ جن کی شبانہ روز دعاؤں اور شفقتوں سے اسلام کے کئی قلعے اوجِ ثریا کو چھو گئے۔ وہ ہستی حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب، نوراللہ مرقدہ کی ہے جو جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ اور جن کے شفقت بھرے سائے تلے ہمیں جامعہ میں چھ سال تک علوم نبویہ سے مبارک نسبت رہی۔ حضرت سے ملاقات کا شرف مجھے پہلی مرتبہ جامعہ میں یوم سرپرستان کے موقع پر نصیب ہوا۔ یہ غالباً جون ۲۰۰۱ء کی بات ہے حضرت کی عمر اگرچہ اس وقت بھی کافی زیادہ تھی لیکن تقاضائے عمر کو بالائے طاق رکھ کر اہل حق کی مجالس میں شرکت ان کا خاص شیوہ رہا ہے مجھے یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ حضرت اتنی کبرسنی کے باوجود اختتام مجلس تک جلوہ افروز ہو کر سرپرستی فرما رہے تھے۔ اور کیسی ہی عجیب معصومیت اور عاجزی چہرے پر سجائے ہوئے اپنے نوخیز پھولوں کو دیکھ کر تبسم فرما رہے تھے اور آخر میں اپنے مبارک ہاتھوں سے ان شگفتہ پھولوں کو انعامات سے نواز کر تمام محفل کے لیے دعائیں فرمائی۔

طلباء کیساتھ محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ انتہائی کبرسنی کے باوجود جب بھی جامعہ تشریف لاتے تو طلباء کیساتھ مصافحہ فرماتے، نصیحت کرتے تو شفقت اور مٹھاس سے بھرپور ایسے نادر موتیوں کا تحفہ عطاء فرما دیتے جو دلوں میں تہلکہ مچا دیتی اور آدمی کو بے اختیار عمل کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے بغیر پگڑی اور شرعی لباس کے اُن کو کبھی نہیں دیکھا، ہر وقت آنکھیں جھکائے شرم وحیاء کے پیکر نظر آئے جب بھی دیکھا ذکر میں مشغول پایا۔ آخری عمر تک مسواک اور عطر کی عادت برقرار رہی حد درجہ متبع سنت تھے۔ چند ملاقاتوں میں مجھے علم ہوا کہ حضرت خشک طبعی کی بجائے خوش طبع کے مالک ہیں اور یہی خوبی ابھی تک ان کا خاندانی ورثہ ہے۔ طلباء کو کبھی کوئی قصہ سنا دیتے تو کبھی پر مغز اشعار فرما کر پیغامِ حیات چھوڑ جاتے۔ معصوم بچوں کے ساتھ بہت محبت تھی خصوصاً آخری عمر میں اپنے چھوٹے پوتے حماد کے ساتھ بیٹھتے تو انتہائی خوش وخرم نظر آتے۔ عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ برسرِ محفل فرماتے کہ پتہ نہیں حضرت مفتی صاحب اور طلباء میری سفید پوشی پر دھوکہ کھا گئے ہیں یا ان کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھ جیسے سیہ کار کو سرپرست بنا دیا ہے۔ علم کے اعتبار سے دیکھیں تو حضرت اگر ایک جانب مظاہر العلوم (سہارنپور) دار العلوم دیوبند اور دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک جیسے مدارس کے فیض یافتہ تھے۔ تو دوسری جانب حضرت مفتی فرید صاحب کے خلیفہ مجاز تھے۔ مجاہدین کے ساتھ تعلق ومحبت نے ان کے کردار کو چار چاند لگا دیئے۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی حد درجہ محبت تھی۔ آخری عمر میں جب چلنے کی سکت نہ رہی تو گشت وغیرہ میں کم جاتے تھے۔ ان کے فرزند حضرت مفتی نجم الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے سرکار دوجہاں ﷺ کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تبلیغ والوں کے ساتھ تعلق جوڑ دو تعمیل حکم کے طور پر ایک سال کے لیے بنگلہ دیش وغیرہ کی طرف تشکیل ہوئی۔ اس کے بعد آخری عمر تک کسی سواری وغیرہ میں بیٹھ کر ان کے ساتھ گشت پر جاتے تھے لوگ دیکھ کر شرم کے مارے ہمیشہ کے لیے مسجد کے ہو جاتے۔

آپ کے والدِ محترم جلوزئی سے تمبولک (مردان) آئے تو اس وقت حضرت کی عمر بہت کم تھی تاہم گاؤں میں موجود خونریزی اور فسادات مٹانے کا عزم مصمم کر لیا یہی ان کی آرزو اور تمنا بھی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔ تمام لوگوں کی آپس میں رنجشوں کو بھلوا کر ان کو شیر وشکر بنا دیا یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات کے دن علاقہ کے تمام لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں اور کیوں نہ ہوتیں وہ ہستی جس نے ان کو حقیقی زندگی گزارنے کا گر سکھایا تھا آج وہ ان میں نہیں تھی۔ آخری عمر میں فرماتے کہ

میرے دل میں چند چیزوں کا ارمان تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔ اول یہ کہ میں خود بھی علم حاصل کرلوں اور ساتھ ساتھ میرے بیٹے پوتے بھی اسی راستے کے مسافر بنیں۔ دوسرا یہ کہ میں خود اپنی آنکھوں سے اپنے گاؤں والوں کو باہم شیر وشکر دیکھ کر ان کو ہر نماز کے وقت مسجد میں دیکھ لوں۔ تمنائیں بھی شاید کہ بہت زیادہ ہی صدق پر مبنی تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان خاموش تمناؤں کو زبان دیکھ کر قبولیت سے نوازا۔

حضرت کے فرامین میں سے مجھے ان کا یہ فرمان یاد ہے کہ دنیا سے بے رغبتی کا مظاہرہ کرلو اور دین کو اپنالو دین کی مثال گندم کی ہے اور دنیا کی مثال بھوسہ کی۔ تم صرف گندم کو طلب کرلو بھوسہ خود ہی آئے گا۔ بھوسے کی طلب حماقت کے سوا کچھ نہیں آپ اکثر حضرت علیؓ کے یہ اشعار ذکر فرماتے۔

رضینا قسمة الجبار فینا　　لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنی عن قریب　　وان العلم یبقیٰ لایزال

اللہ تعالیٰ نے وفات بھی ایسی حالت میں دی جو ہر ایک کے لیے قابلِ صد رشک تھی۔ رمضان کا مہینہ پیر کی رات اور سنت طریقہ پر لیٹے ہوئے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ غسل کے وقت دیکھا گیا کہ شہادت کی انگلی ایسی ہی مڑی ہوئی جیسی نماز میں، اس پر کچھ زیادہ حیرت بھی نہیں اس لیے کہ جو جسم عمر بھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی خاطر تڑپتا رہا آج اسی جسم کی صرف ایک ہی انگلی شہادت نہیں دے گی تو اور کیا کرے گی؟ یوں تو ان کی وفات پر ہر کسی کو سوگواری ہوئی ہوگی لیکن جامعہ عثمانیہ کا تو باغ ہی اجڑ گیا۔ اس لیے کہ شفقت ومحبت کا جو ہاتھ حضرت مفتی صاحب اور دوسرے اساتذہ کرام کے سر پر قائم تھا۔ آج ان کے سر اس شفقت سے محروم ہو گئے۔ ان کی وفات سے علماء ربانیین کی جماعت میں جو خلا پیدا ہو گیا اللہ تعالیٰ اسے اپنی ہی قدرت سے بھر دے۔ اس لیے کہ ان شکستہ دلوں کا واحد سہارا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے۔ ''وکان امر اللّٰہ مفعولا''. ومن لم یرض بقضائی فلیطلب ربا سوائی " ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما کر اپنے قرب سے نوازیں اور ان کے فیض کو ہم سب پر جاری فرمائیں۔ آمین

ایک قدسی صفات شخصیت کی کچھ یادیں

فیض الرحمٰن تخصص سال اول

زندگی میں بعض لحات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی یادیں زمانہ گزرنے کی وجہ سے محو ہونے کی بجائے دن بدن تازہ ہوجاتی ہیں۔اور بعد میں انسان ان ساعات کو اپنے لیے قابل فخر سرمایہ سمجھتا ہے بندہ بھی ان خوش نصیب انسانوں میں اپنے آپ کو شمار کرتا ہے جنھوں نے بعض قدسی صفات اور ملکوتی فطرت شخصیات کی زیارت کی ہو۔ان قدسی صفات شخصیات میں ایک جامعہ عثمانیہ پشاور کے سرپرست عالم ربانی حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب بھی شامل ہیں الحمدللہ آپ کی زیارت میرے لیے ایک در بے بہا اور گوہر گرانمایہ سے کم نہیں۔

پہلی ملاقات سے آخری دیدار تک:

مادر علمی جامعہ عثمانیہ میں تقریب سرپرستان ہر سال منعقد ہوتا رہتا ہے چند سال پہلے اسی طرح کے ایک پروقار محفل میں اسٹیج پر نورانی چہرے والے ایک بزرگ بھی رونق افروز تھے محفل کے آخر میں کانوں میں یہ آواز گونج اٹھی ''ہم سرپرست جامعہ عثمانیہ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ وہ رب ذوالجلال کے دربار میں دعا کے ساتھ اس بابرکت محفل کی اختتام فرمائے'' تو اسی نورانی چہرے والے بزرگ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے تضرع اور عاجزی کے ساتھ سخت دلوں کو موم کرنے والی جامع اور پرمغز دعا فرمائی۔بعد میں طلبہ سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہی بزرگ جامعہ عثمانیہ کے سرپرست اور استاد محترم مفتی نجم الرحمٰن صاحب کے والد محترم ہیں دیکھنے کیساتھ ساتھ یہ کلمات سننے تھے کہ دل میں آپ کی ملاقات کی امنگ پیدا ہوئی مجلس کے اختتام پر طلبہ پروانہ وار حضرتؒ کی ملاقات کی غرض سے آپ کی طرف ٹوٹ پڑے ہر کوئی تب ہی اطمینان کا سانس لیتا جب جامعہ کے سرپرست کے ساتھ ہاتھ ملا کر قریب ہی بیٹھ جاتا لوگوں کے جم غفیر کو چیرتے ہوئے بندہ بھی حضرتؒ کے ہاں پہنچ گیا اور آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ملاقات کا شرف حاصل کرکے دل

بیقرار کو مطمئن کیا۔

آج بھی وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔گویا حضرت حکیم صاحبؒ باوجود اپنے ضعف اور پیرانہ سالی کے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ہیں طلبہ کرام کو نصیحت آموز باتیں کر رہے ہیں اور ہر طالب علم آپؒ کے باتوں سے روحانی سرور محسوس کر رہا ہے اور اس طرف ہمہ تن متوجہ ہے۔

پھر کئی مرتبہ آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ حضرت حکیم صاحبؒ باوجود علالت اور ضعف کے جامعہ عثمانیہ تشریف لائے ہیں۔اور مجلس کا رونق دوبالا کر دیا ہے۔یہ دیکھ کر بہت رشک کرتا کہ حضرتؒ کو دین اور دین والوں سے عموماً اور جامعہ عثمانیہ سے خصوصاً کتنی زیادہ محبت ہے کہ اپنی راحت اور سکون کو انہی کے لیے قربان کر دیا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حضرت کی یہ ادا قبول ہو۔وہ لمحات بھی میں نہیں بھلا سکتا جب رمضان المبارک میں سحری کے بعد دھیمی دھیمی آواز سے ایک ساتھی نے بتایا کہ حضرت حکیم صاحبؒ رحلت فرما گئے جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو آپؒ کے آخری دیدار کے لیے طلبہؒ کے ساتھ ضلع مردان پہنچ گیا،آخری دیدار کی خاطر جونہی حضرتؒ کے نورانی چہرہ پر نظر پڑی تو دل نے تصدیق کر دی کہ یہ چہرہ حضورﷺ کے حدیث" اذا رؤا ذکر اللہ" کا مصداق ہے اللہ والوں کو جب دیکھا جائے تو اللہ یاد آتا ہے حضرتؒ ایسی قدسی صفات شخصیت کے مالک تھے کہ غائبانہ طور پر ہر ایک حضرتؒ کے اوصاف وکمالات سن کر گرویدہ ہوتا کیونکہ حضرت کو اللہ نے حسن صورت وسیرت،تواضع وعاجزی،تبسم اور حسن کلام کا وہ اعلیٰ درجہ عطا کیا تھا کہ دیکھ کر ہر آدمی متاثر ہو جاتا۔

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی آن نئی شان
کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان

اکابر کے تواضع کی تصویر

محمد جاوید تخصص سال اول

چونکہ بندہ کو زمانہ طالبعلمی سے پہلے اکابر علماء دیوبند کی چند کتابیں دیکھنے کی وجہ سے ایک گہری عقیدت ان کے ساتھ پیدا ہوئی تھی پھر جب مادر علمی جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا تو اس عقیدت کو چار چاند لگ گئے کیونکہ ان بندگان خدا میں سے ہر ایک علم، تقویٰ کا پیکر تھا اتباع سنت تو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا۔ اسی چیز کی برکت تھی کہ کوئی انکا غائبانہ تذکرہ سن لیتا تو وہ ان کا گرویدہ بن جاتا اور یہی ان کی اللہ کے دربار میں محبوبیت کی نشانی تھی۔

جامعہ عثمانیہ آنے کے بعد چونکہ میری ملاقات کبھی ایسی شخصیت کے ساتھ نہیں ہوئی تھی، جو اکابر علماء دیوبند میں سے کسی کے ساتھ ملا ہو یا کم از کم دارالعلوم دیوبند کے در و دیوار میں چلا پھرا ہو اس لیے جب کبھی میں ان اکابرین عظام کے حالات کو دیکھتا تو دل میں اک تمنا باقی رہتی کہ کاش ان بندگان خدا سے ملاقات کا شرف مجھے بھی حاصل ہوتا مجھے تو یاد نہیں ہے کہ ہمارا درجہ اولیٰ یا ثانیہ کا سال تھا لیکن یہ یاد ہے کہ جامعہ عثمانیہ میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہو گیا تھا پہلے کسی نے بتایا تھا کہ اُستاد محترم حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کے والد گرامی جنہوں نے سہارنپور میں پڑھا ہے وہ بھی تشریف لائے ہیں اس لیے اجلاس کے اختتام پر جب نماز ظہر ادا ہوئی تو ہم باہر نکل آئے دیکھا کہ طلبہ ایک سفید پوش انسان جسے دیکھ کر اس چہرے سے تقویٰ و بزرگی کے آثار ٹپک رہے تھے کے گرد جمع ہیں میری بھی جب اول نظر حضرت حکیم صاحبؒ پر پڑی تو واللہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا اکابر میں سے کسی کو دیکھا اور بار بار ذہن یہ خیال آتا تھا کہ حضرات اکابر ایسے ہی ہوتے تھے۔ بار بار ان کے نورانی چہرے کو دیکھنے سے دل نہیں چاہتا کہ آنکھیں موڑلوں پہلی ملاقات میں حضرت حکیم صاحبؒ سے جو تاثر لیا وہ آپ کی کمال تواضع تھی جامعہ عثمانیہ میں یوم سرپرستان کے موقع پر حضرت حکیم صاحبؒ کا جب آخری خطاب ہوتا۔ اور جب بھی تقریر کے لیے بیٹھتے تو فرمایا کرتے تھے کہ میں انتہائی گنہگار، سیہ کار اور ایک

ناقص انسان ہوں آپ تو بڑے لوگ ہیں۔ آدمی حیران رہ جاتا تھا کہ اتنی پاکیزہ ہستی اور اپنے بارے میں آپکی یہ گفتگو۔ حضرت حکیم صاحبؒ مادر علمی جامعہ عثمانیہ کا بہت عرصہ سے سرپرستی کر رہے تھے لیکن بحیثیت سرپرست جو حکیمانہ سرپرستی حضرت حکیم صاحب کی تھی۔ وہ بھی قابل دید ہے اکثر جب یوم سرپرستان میں آپ کا خطاب ہوتا تو طلباء کے حوصلے بلند کرنے کے لیے اور طلبہ کا جامعہ کیساتھ عقیدت بڑھانے کے لیے اپنی سادہ گفتگو میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم خوش قسمت ہو کہ جامعہ عثمانیہ میں پڑھتے ہو۔ میں نے بہت سے مدارس ہندوستان اور پاکستان میں دیکھے ہیں لیکن جو تربیت جامعہ عثمانیہ اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ طلبہ کی کرتے ہیں وہ کہیں نہیں دیکھی ہے اسی طرح بہت سے تعریفی کلمات سے طلباء اور اساتذہ کے حوصلوں کی آبیاری کرتے تھے۔ سہارنپور میں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی شرف تلمذ اور فیض صحبت کا اثر تھا کہ تبلیغی جماعت کیساتھ انتہائی محبت تھی۔ اور اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ آخری دم تک اس کام کیساتھ منسلک رہے۔ ایک عالم کے لیے بحیثیت عالم دین ہونے کے اپنے گھر اور اپنے علاقہ کے لوگوں کی اصلاح بہت ضروری چیز ہے حضرت حکیم صاحبؒ کی دینی محنت کا اثر ان کے علاقہ کے لوگوں میں بہت نمایاں نظر آتا ہے کہ لوگوں میں دینداری کا ایک جذبہ ہے اور اکثر لوگ تبلیغی جماعت میں وقت لگاتے جو اس وقت کی عالمگیر دینی جماعت ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ اس دار فانی میں کسی کو ہمیشہ کی بقا نہیں حضرت حکیم صاحبؒ بھی اس دار فانی سے رخصت ہوئے حضرتؒ کی وفات پر یقیناً جامعہ عثمانیہ ہمیشہ کے لیے آپ کی شبانہ روز دعاؤں سے محروم رہی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرتؒ کی سفر آخرت کو آسان فرما کر اپنی رضا کیساتھ جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے۔

کچھ سرپرست اعلیٰ کے بارے میں

ثناء اللہ اخونزادہ دورہ حدیث

کائنات میں ہر ذی روح موت کے ذائقے کو چکھنے کا خوگر ہے، اشرف المخلوقات بھی اس کا سامنا کرتا ہے اور (الموت جسر یو صل الحبیب الی الحبیب) کی صداقت تسلیم کرتا ہے حال ہی میں ایک عظیم شخصیت جو کہ سراپا نیکی تھے خالق حقیقی سے وصال کر گئے۔

ان کی خدمات اور احسانات کے بارے میں بندہ کی زبان لب کشائی اور قلم رقم طرازی سے قاصر ہے لیکن " الامــــر فــوق الادب" اور خریداران یوسف میں شمولیت کو سعادت مندی سمجھتے ہوئے بندہ کچھ تأثرات پیش کر رہا ہے جن میں دامن اختصار کو تھامے رکھا گیا ہے۔

زیارت باسعادت:

بندہ نے درجہ رابعہ میں شریک ہونے کے سال حضرت حکیم صاحبؒ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔

اولین نظر:

پہلی نظر میں ایک عام شخصیت جس کے پیچھے ہزاروں صلاحیتیں پوشیدہ ہوں، کی طرح پایا بالفاظ دیگر خصوصیات کا مجسمہ پایا۔

محترم حکیم صاحبؒ کی موثر کن ادا:

تواضع اور انکساری کی ادا نے مجھے متاثر کیا۔

دو اہم فرامین:

(۱) حکیم صاحبؒ کی زبان مبارک کے الفاظ تو یاد نہیں لیکن انکے اپنے ماسبق اوقات کو ضیاع کے ساتھ متصف کرنے کو احقر کبھی نہیں بھول سکتا آپ نیکی کے سرچشمہ تھے۔

(۲) مادر علمی ''جامعہ عثمانیہ'' کے طلباء اور انکی تعلیم وتربیت کو سہارنپور کے طلبہ اور ان کی تعلیم وتربیت کے ساتھ تشبیہ دینا بھی قابل ذکر ہے۔

قابل ذکر واقعہ: حضرت حکیم صاحبؒ کے فرزند ارجمند اُستاد محترم مفتی نجم الرحمٰن صاحب ایک مجلس میں لب کشا تھے اور فرمارہے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ والد محترم نے کھڑے ہوکر پانی پی لیا پانی پیتے ہوئے کسی استاد نے دیکھا اور بلاکر فرمایا دوبارہ پانی پی لو حضرت مرحوم نے دوبارہ بیٹھ کر پانی پی لیا لیکن استاد نے پھر پانی پینے کا حکم دیا حضرت مرحوم نے تین سانسوں کے ساتھ پانی نوش فرمایا۔ استاد محترم نے پھر پانی پینے کا حکم دیا۔۔۔۔۔۔ آخر حکیم صاحبؒ کے استاد محترم نے مسنون طریقے سے بسم اللہ اور الحمد اللہ کے ساتھ پانی پینے کو سکھلایا۔ نتیجہ یہ رہا کہ حکیم صاحب نے زندگی بھر اسی طریقے کے ساتھ پانی پینے کو اپنایا۔

رحلت کا اثر: حضرت حکیم صاحبؒ کی رحلت نے ایسی خلا باقی چھوڑی جسکی تلافی شاید کبھی ہوسکے۔

مساعی جمیلہ:

سرپرست محترم کی برتر از قیاس مساعی ان کی شفقت، بصیرت اور اُلفت پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب اور اساتذہ کا رویہ:

سرپرست محترم کی قدر ومنزلت کو دیکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب اور تمام اساتذہ کرام ان سے شفیق استاد جیسا سلوک کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔۔۔۔۔۔ ہو۔

علماء کا اعتماد:

دین اسلام کے عظیم مبلغ اور اکابر کے ترجمان ہونے کی وجہ سے اُن پر تمام علماء کا مکمل اعتماد تھا۔

بحیثیت سرپرست: ایام سرپرستی میں قابل ستائش کردار کے حامل رہے۔

یادِ حیات

کفایت الرحمٰن درجہ سابعہ

دنیائے عالم میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں۔مختلف قسم کے انسانوں میں رہتے بستے ہیں۔ ان کے میٹھے اور کڑوے باتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ان کی طرز زندگی سامنے آجاتی ہے۔ان کی زندگی کا ہر گوشہ چشم عبرت کا محور بن جاتا ہے۔ان کے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے واقعات و حالات کا موازنہ کرنے سے انسان کسی نتیجے پر پہنچ کر اپنے لئے راستہ متعین کرتا ہے۔ جو لوگ انسانیت کے خادم، علم و معرفت کے پیاسے، صداقتوں کے متوالے اور حقیقتوں کو جاننے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو قابل تحسین صفات سے نوازتا ہے کسی ایک شخصیت میں تمام صفات کا جمع ہونا مشکل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بیک وقت کئی صفات کے مالک ہوتے ہیں اور شاعر کے شعر کا مصداق بن جاتے ہیں۔

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

جسکی وجہ سے وہ ہر دلعزیز بن جاتے ہیں۔اور ہر طبقہ کے لوگ اپنی تشنگی دور کرنے کی خاطر ان کی محفل کے چند قیمتی لمحوں کو قابل فخر سرمایہ سمجھتے ہیں۔انہی صفات کے حاملین میں سے ایک ہمارے مربی و محسن حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب ؒ بھی تھے۔ حضرت حکیم صاحب ؒ صرف ایک عالم دین اور وارث نبوتؐ ہی نہیں تھے بلکہ دادا سے زیادہ محبت کرنے والے اور باپ سے زیادہ شفیق اور بھائی سے زیادہ ایثار و اخوت جیسے اعلیٰ صفات پر فائز تھے۔ حضرت حکیم صاحب ؒ کے ساتھ جب اس نو وارد طالب علم کی پہلی ملاقات ہوئی تو نظر برسوں سے جس شخصیت کی جھلک کی منتظر تھی اور ذہن جس تصور و تاثر کا متلاشی تھا اور دھڑکن جس روحانیت کی خواہاں تھی وہ تمام بالاتفاق اس فرشتہ صفت اور نور و ہدایت کے مجسمہ میں پایا۔ حضرت والاؒ کی تمام تر زندگی قرآن و حدیث کے اخلاق حسنہ سے آراستہ تھی۔زندگی کا کوئی پہلو، کوئی ادا و گفتار خلاف سنت نہ تھی، بدن کے ہر جزء و عضو قرآن و سنت نبوی ﷺ کی پاسداری کا مظہر تھی۔اخوت و بھائی چارگی انسانی ہمدردی،

اُمت کی خیر خواہی و غمخواری جیسے صفات کے حامل انسان تھے۔علمی مرتبہ، زھد وتقوئ اور علوی شان کے باوجودان کی عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ جب کسی سے ملاقات ہو یا علمی مجلس میں شرکت کا موقعہ ملتا تو تبحر علمی کے باوجود انتہائی تواضع وعاجزی کا مظاہرہ فرماتے، حضرت والاؒ کی ہر ادا عجیب نرالی تھی۔کہ درس وتدریس کا موقع ہوتا توان کی نشست وبرخاست، کردار وگفتار سے تقوئ داری ظاہر ہوتی تھی جب بھی دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے تھے تو مجلس پر عجیب رقت طاری ہوتی تھی، اپنی نااھلی اور کم ظرفی کی وجہ سے حضرت والاؒ کیساتھ ملاقات اور اُن سے استفادہ کا موقع شاید ہی ملتا مگر گلشن علوم نبوت (جامعہ عثمانیہ) کی برکت سے جب بھی موقع ملا۔تو حضرت والاؒ کو سُنت نبوی پر عمل پیرا پایا۔ایسے واقعات ولمحات "لا تعدو لا تحصیٰ" ہیں کہ حضرت والاؒ باوجود انتہائی کمزوری اور بیماریوں کے قیام وطعام میں سُنت پر کاربند رہتے۔ایک مرتبہ ۲۰۰۴ء میں حضرت والاؒ انتہائی علالت اور ضعف کی حالت میں جب یوم سرپرستان کے موقع پر مادر علمی تشریف لائے تو پروگرام کے بعد حضرت والاؒ نے زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا۔اور جب بندہ راقم الحروف نے چمچہ آگے کیا تو فرمایا کہ بچے ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ انمول سُنت کو چھوڑ کر اغیار کے طرز وطریقے پر کھانا کھائیں۔یا ان کے طور طریقوں سے مرغوب ہوں۔یہ ایسے کلمات تھے جنکا مجھ پر کافی اثر ہوا۔المختصر! حضرت کے حیات طیبہ کے تمام جوانب سے قرآن وحدیث کی موتیوں کی ایسی بارش لایمتد جاری تھی جسکا فیضان عالم انسانیت کو سیراب کرتی رہے گی بہر حال انسانی جسم فانی ہے مگر انسانی فضائل کے لیے فنا نہیں ہے بلکہ بقا ہی بقا ہے۔اگرچہ حضرت والا کی موت کی خبر حدیث مبارک کی مصداق تھی "موت العالم موت العالم" مگر حضرت والاؒ اپنے زندگی کی ۸۵ سال گزارنے کے بعد بھی دربار آغوش الٰہی میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزل غم سے حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہیگا
آتی ہی رہے گی تیری انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

زبان میری ہے بات ان کی

محمد جہانگیر درجہ موقوف علیہ جامعہ عثمانیہ پشاور

موت العالِم موت العالَم۔

آہ......میرے جامعہ عثمانیہ کے مربی اور سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ لقمہ اجل بن گئے۔زندگی نے وفانہیں کی۔"کل نفس ذائقة الموت ." "کوئی نفس بھی موت کے تلخ گھونٹ پینے سے بچنے والا نہیں ہے۔ ہر ایک کو آخر اس راستے پر چلنا پڑے گا ویسے تو بہت سے انسان مرتے ہیں۔لیکن عالم کی موت عالَم کی موت ہوتی ہے۔ان کے بچھڑنے پر انسان تو کیا حیوانات بھی نوحہ کناں ہوتے ہیں۔حضرت والا کے موت کی خبر سن کر جامعہ عثمانیہ کا ہر طالب علم آبدیدہ نظر آتا تھا۔گویا ہر ایک بزبان حال یہ صدا بلند کررہا ہے

"آہ جامعہ عثمانیہ ایک ایسے مخلص سرپرست سے محروم ہوگیا کہ شاید اس جیسی ہستی پھر پیدا نہ ہو۔"

حضرت حکیم صاحب عصر حاضر کا ایسا پررونق تارہ تھا۔جس کو دیکھنے سے قلب کو مسرت اور روح کو راحت حاصل ہوتی تھی۔ان کی مجلس میں بیٹھنے سے رغبت الی اللہ اور رغبت الی الدین پیدا ہوتی تھی۔

جامعہ عثمانیہ کی دلکش تقریبات میں کئی مرتبہ حضرت موصوف کی مجلس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔آپ کے چہرہ مبارک پر عجز وانکساری کے اثرات دیکھ کر اکابر دیوبند کی جھلک سامنے آتی تھی۔آپ کے صفت انکساری کا اندازہ آپ کے چند کلمات کے سننے سے ہوتا تھا آپؒ دعا کرتے تھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن مجھ پر لوگوں کا اچھا گمان ہے اللہ تعالیٰ مجھے ان کے گمانوں کے مطابق بنائیں۔

آپ بڑے سنجیدہ اور باوقار انسان تھے۔ان کی ہر ادا سے سادگی اور تواضع ٹپکتی تھی۔ باطن اور ظاہر دونوں لحاظ سے حضور ﷺ اور صحابہ کے نقش قدم پر کاربند نظر آتے تھے۔ان کے صفات حمیدہ میں سے ایک صفت سخاوت جو حاتم طائی کی ایجاد کہلاتی ہے بدرجہ اتم موجود تھی۔ان

کے ساتھ جب بھی حاضر ہونے کی شرف نصیب ہوئی تو بسا اوقات دارالعلوم دیوبند کے اکابرین علماء کے واقعات بیان کرتے تھے۔ خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے واقعات تھے۔ مولانا موصوف کے ساتھ قرب و جوار میں بیٹھ کر ان کی زبان خود بخود وعظ و نصیحت کے انمول موتی بکھیرتی تھی۔ طلبہ کو ایک بات کی تاکید و تلقین بار بار کیا کرتے تھے۔ ''کہ علم کے ساتھ عمل ہو اور خلوص نیت کا اہتمام ہو۔''

آپ کے بارے میں ہم عصروں کا کہنا ہے کہ مولانا موصوف طالب علمی کے زمانے میں بہت نیک اور متقی تھے۔ انتہائی قابل اور ہنس مکھ اور حد درجہ محبت کرنے والے تھے۔ آپ نے بہت درد اور خلوص کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کے بارے میں چند کلمات ارشاد فرمائے کہ ''مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعہ عثمانیہ سے ایسا فیض جاری فرمائیں گے۔ جو فیض دارالعلوم دیوبند سے جاری ہوا تھا۔ ان شاء اللہ جامعہ عثمانیہ سے بھی ایسے انوارات و برکات پھیلیں گے جو دارالعلوم دیوبند سے اٹھے تھے۔''

یہ ایک ولی اللہ، پارسا اور خوش اخلاق و ملنسار انسان کے بارے میں چند تاثرات تھے جو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کئے ورنہ

کہاں میں کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

حضرت حکیم صاحبؒ
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

تلامذہ اور معتقدین حضرت حکیم صاحبؒ

استاد کی کہانی شاگرد کی زبانی

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب (دیر)

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب میرے پہلے استاد تھے۔ میزان الصرف وغیرہ ابتدائی کتب میں نے ان سے پڑھیں، دراصل میرے چچا حضرت مولانا سعید الشاھدین صاحب سہارنپور میں حضرت حکیم صاحب کے ساتھی تھے۔ چنانچہ جب ہم نے تحصیل علم کا ارادہ کیا۔ تو چچا نے ہمیں حضرت حکیم صاحب کے پاس تمبولک بھیجا۔ وہاں پر ان کی مسجد میں ہم اور دوسرے طلبہ ان سے پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حکیم صاحب مشکوٰۃ شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ انکے ساتھ وہاں مولانا عبدالودود صاحب بھی تھے۔ دونوں کی آپس میں محبت تھی۔ سبق نہایت فصاحت سے پڑھاتے۔ غصہ کبھی نہ ہوتے ہمیں سبق یاد کرواتے۔ اس کے بعد نیا سبق دیتے نوافل اور ذکر وتلاوت کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ فضول اور زیادہ باتیں کرنے کے عادی نہ تھے۔ اسباق ایسے پڑھاتے کہ خوب سمجھ آتی فرمایا کرتے تھے کہ سہارنپور میں ہم بجلی کے کھمبے کے نیچے کھڑے ہوکر راتوں کو مطالعہ کرتے تھے اکوڑہ خٹک ہمیں انہوں نے بھیجا اور داخل بھی کروایا دراصل وہ دارالعلوم حقانیہ کے بانیوں میں سے تھے حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کو انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے مدرسہ بنانے کی ترغیب دی تھی حضرت حکیم صاحب نہایت مہمان نواز آدمی تھے ان کے حجرے میں اکثر مہمانوں کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ نہایت خوش اخلاق بھی تھے اور بہترین مقرر بھی تھے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کا ان پر بھرپور اعتماد تھا۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ تمبولک (مردان) تشریف لایا کرتے تھے ان کے ساتھ حکیم صاحب کا خصوصی ربط و تعلق تھا اب وہ زمانہ گزر گیا۔ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب اب ہم میں نہیں رہے ان کی وفات کا سن کر میں حاضر ہوا ان کے چہرہ انور کو دیکھا تو چمک رہا تھا اور متبسم تھا میں نے سلام کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ حضرت سن رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

ایسی تاثیر کس زباں میں ہے

مولانا عمران اللہ صاحب (مردان)

حضرت مولانا عمران اللہ صاحب جو پریمیر شوگر ملز مردان میں خطیب ہیں۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے بارے میں انکے عقیدت مندانہ تأثرات ملاحظہ ہوں۔

۱۹۹۳ء میں، میں نے خواب دیکھا کہ ہمارے اردگرد کے علاقے میں سود کا کاروبار انتہائی عروج پر ہے۔ کئی خاندان اس کے لپیٹ میں ہیں۔ میں نے مساجد کے ائمہ کرام کا ایک اجلاس بلایا۔ میں نے اس وقت الفلاح مسجد شریف آباد کے پیش امام مولانا صفی اللہ صاحب کو بتایا۔ انہوں نے کہا کہ واقعی سود کی لعنت علاقے میں اژدھا کی طرح منہ کھولے لوگوں کو نگل رہا ہے۔ ہم نے اس کے سدباب کے لیے ایک کمیٹی بنائی۔ اور مشورہ اور دعا کے لیے بندہ ناچیز اور مولانا صفی اللہ صاحب حضرت حکیم صاحبؒ سے ملنے کے لیے گئے۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ اور اسی ملاقات میں بندہ حضرت حکیم صاحبؒ سے انتہائی متاثر ہوا۔ کیونکہ حکیم صاحبؒ کی شخصیت میں ایک روحانی کشش تھی۔ حضرت حکیم صاحبؒ بڑے دوراندیش انسان تھے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ کا جذبہ اچھا ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ کو نقصان پہنچے۔ اس لیے ذاتی طور پر قدم اٹھانے سے قبل بہتر یہ ہے کہ آپ علاقے کے بااثر افراد سے مشورہ کریں اس ملاقات میں انہوں نے کہا۔ کہ اپنے علاقے کے M.P.A اور M.N.A سے کام لو۔ اور ایک وظیفہ بھی بتایا کہ یہ وظیفہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس لعنت کے خاتمہ کی دعا مانگو۔ نیز یہ بھی فرمایا۔ میں ہمیشہ اپنے امور میں ان سے مشورے لیتا تھا۔ انکی معیت میں انسان پر ایک روحانی وجد طاری ہوتی تھی۔ انکی وفات سے تین دن قبل دل میں ان سے ملاقات کی تمنا پیدا ہوئی تھی۔ ان کے خصوصی خادم امان اللہ سے بات کی۔ کہ میں آج شام کو آؤں گا میں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ کہ بازار خواجہ گنج میں انکے بیٹے مسعود صاحب اور نواسے طفیل مجھے ملے۔ اور کہا کہ حضرت حکیم صاحبؒ گاڑی میں ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں ان کے موٹر کے پاس گیا، انہوں نے بڑی گرمجوشی سے مجھے گلے

لگایا۔انہوں نے برجستہ فرمایا۔کہ آپ ولی اللہ ہیں۔میں ہی حاضر ہوا۔حضرت حکیم صاحب ایک علمی اور روحانی شخصیت تھے۔انکی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسکی تلافی ممکن نہیں۔کیونکہ عالم کی موت عالَم کی موت ہوا کرتی ہے۔وہ اکابرین کی نشانی تھی۔اللہ تعالیٰ انکو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔آمین

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے روایت ہے کہ یوپی میں میری تقریر تھی۔رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا۔بین الیقظۃ والنوم مجھ کو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیروں کو دبا رہا ہے میں نے کہا خیر مجھ کو عادت بھی ہے،کوئی دوست ہوگا،مگر اسی کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے،باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جارہی ہے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت شیخ مدنیؒ ہیں۔فوراً پھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا،حضرت کیا ہم نے اپنے لیے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم رکھا ہے؟ کہ آپ بھی ہم کو دکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں۔حضرت شیخؒ نے جواباً فرمایا،آپ نے دیر تک تقریر کی تھی۔آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی۔اور مجھ کو سعادت کی ضرورت،ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا میں نے خیال کیا آپ کی نماز چلی نہ جائے،تو بتایئے حضرت!میں نے کیا غلطی کی ہے۔

سچ فرمایا گیا ہے

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال
کہ چوں سوار بہ منزل رسید پیان شود
(مکتوبات شیخ الاسلامؒ)

اُستاد کا ذکر شاگرد و خادم کے قلم سے

مولانا مفتی امیر سید صاحب

مولانا مفتی امیر سید صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں جن کو حفظ قرآن اور علم دین کی عظیم دولت حضرت حکیم صاحبؒ کی تربیت سے نصیب ہوئی - اس لیے ان کے تاثرات پیش خدمت ہیں۔

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

چھپ گیا آفتاب، شام ہوئی　　اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

اس عالم فناء میں آنے والے ہر مسافر نے اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹنا ہے وطن کی طرف مراجعت کے ساتھ ہی مکافات عمل اور محاسبہ کی منزلیں شروع ہو جاتی ہیں ۔

اس لحاظ سے ہر انسان کی موت درس عبرت، نشانی قیامت اور زندگی کے عارضی و فانی ہونے کی یاد دہانی ہے۔ لیکن علماء ربانیین، مخلصین فی الدین اور حاملین دین متین کی جدائی موت کی یاد دہانی کے علاوہ بے شمار فیوض و برکات سے محرومی اور قیامت کبریٰ کی نشانی ہے۔

حدیث شریف کے مطابق قیامت کے قریب اہل علم وفضل رخصت ہو جائیں گے اور نا قابل اور بے علم افراد منصب اقتدار پر فائز ہوں گے جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور مخلوق خدا کو بھی گمراہ کریں گے قحط الرجال کے موجودہ دور میں جب کوئی عالم ربانی رخصت ہوتا ہے تو یہ حدیث شدت سے یاد آتی ہے۔ حضرت دادا جی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ موجودہ دور میں علم و فضل، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت اور تواضع وللّٰہیت کا نمونہ تھے۔ آپ نے ان ہستیوں سے کسب فیض کیا جو اپنے تلامذہ کو صرف حروف و نقوش منتقل نہیں کرتے تھے بلکہ محبت و عشق خداوندی کی آگ اور اخلاص وللّٰہیت کی وہ دولت بھی عطاء کرتے تھے۔ جو سینہ در سینہ منتقل ہوتی ہے۔ آپ نے جس نابغہ روزگار ہستیوں سے علم حدیث حاصل کیا ان میں فخر المحدثین حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، زبدۃ الاتقیاء حضرت مولانا

گل بادشاہ صاحبؒ بانی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک وغیرہ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

حضرت داداجی صاحبؒ ایک جامع کمالات شخصیت تھے آپ کا اصلاحی تعلق مفتی اعظم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی فرید صاحب مدظلہ سے تھا حضرت کو اپنے مرشد نے اجازت و خلافت سے نوازا تھا اپنی فراست سے نورالٰہی کی نظر رکھتے تھے۔ واردین اور حاضرین کو اول نظر میں بارعب شخصیت معلوم ہوتے تھے۔ یہ آپ کے اعلیٰ تقوای کی صفت جلالی کا مظہر تھا لیکن جب ہم نشینی اور ہم کلامی ہوتی تو اُنسیت والفت کی صفت جمالی کا بحر شیریں معلوم ہوتے۔ خطاب میں حاضرین سے مکمل مواجہت فرماتے جود وسخا اور حاضرین کی ضیافت میں اکرام کا معاملہ حضرت کا طرہ امتیاز تھا۔ ہر خاص وعام اس سے بہرہ ور ہوتا۔ دسترخوان پر جب اجتماعی کھانے کا موقع ہوتا تو تمام حاضرین کا خیال فرماتے۔ حضرت داداجی صاحب کا معمول تھا کہ جب کبھی کوئی عالم دین یا مجاھد ملاقات کے لیے آتے تو حضرت خوش ہوتے ان کو ڈھیروں دعائیں دیتے حضرت خواہ بیمار ہوں یا تندرست، خوش ہوں یا غمگین نہایت پرسکون رہتے۔ آپ کو دیکھنے سے طبیعت کو سکون مل جاتی تھی۔ جو شخص بھی آپ سے ملتا گرویدہ ہوجاتا حضرت بھی ہر ایک سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔ کوئی مہمان آجاتا تو فوراً مناسب وقت مہمان نوازی کا انتظام فرماتے کیونکہ یہ صفت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

رضاء بالقضاء حضرت کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی آپ کے قول وعمل سے کبھی بے صبری وناشکری مترشح نہیں ہوئی۔ سخت تکلیف اور بیماری کی حالت میں کوئی نووارد مہمان حال دریافت کرتا تو جواب یہی ہوتا الحمدللہ! اللہ کا فضل ہے۔

حضرت کی تواضع بھی قابل رشک تھی مسجد سے گھر کی طرف جاتے ہوئے بعض دفعہ معصوم بچے مصافحہ کے لیے آگے بڑھتے تو مسکراتے ہوئے ان کا انتظار کرتے ہر ایک سے مشفق باپ کی طرح پیار کرتے تھے۔ حضرت کے نصیحت کرنے کا انداز بھی انوکھا تھا کہ مخاطب کو ایسے انداز سے سمجھاتے کہ وہ یہ تمنا کرتا کہ حضرت کی نصیحت اور بھی زیادہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ اسی

طرح علاقے کے بڑے بڑے مسائل بھی حکیمانہ انداز سے حل فرماتے کہ بظاہر دوسروں کے لیے ان کا حل ناممکن ہوتا۔ حضرت کی پاکیزہ زندگی اتباع سنت اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھی اور انتہائی اہتمام کی وجہ سے گویا شریعت ''طبیعت'' بن چکی تھی۔ کوئی خلاف شرع بلکہ خلاف اولیٰ کام دیکھنے سے فوراً چہرہ انور پر غصہ کے آثار نمایاں ہوتے۔ حضرت کا قرآن وحدیث سے خصوصی لگاؤ تھا۔ عام طور پر تلاوت قرآن تفسیر بیان القرآن، تفسیر عثمانی میں فرماتے اور ذخیرہ احادیث میں اکثر مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ فرماتے۔

بندہ عاجز کا تعلق حضرت سے اس طرح قائم ہوا کہ پرائمری تعلیم کے دوران بندہ نے ایک نیک شخص شماس گل لالا سے ترجمہ شروع کیا تھا جو کہ عالم نہیں تھا، انہوں نے مجھے ۱۹۸۵ء کے اوائل میں حضرت داداجی صاحب کے حوالے کیا اور خود تبلیغ میں سالانہ چلے پر گئے حضرت نے بندہ کو تقریباً مہینہ بھر ترجمہ کیا اور پھر از خود حضرت نے بندہ کو حفظ شروع کروایا۔ جبکہ حضرت کی یہ تمنا ۱۹۸۸ء کے اوائل میں پوری ہوئی اور پھر رمضان میں حضرت کو مصلّٰی سنایا یہی میرے تعلق کی ابتداء ہے۔ پہلی ملاقات میں چونکہ بندہ کی عمر کھیل کھود کی تھی حضرت کے اعلیٰ اخلاق کا یہ اثر تھا کہ بندہ ہر وقت حضرت کے ساتھ کمرہ مسجد میں ہوتا تھا کھیل کھود یا گھر کی طرف جانا دل نہیں چاہتا تھا۔ حضرت کی محبت اور شفقت روز اول سے رحلت تک بندہ کیساتھ قائم رہی اور مختلف طریقوں سے اس کا اظہار بھی فرماتے اور بسااوقات حوصلہ افزائی بھی بہت اچھے انداز میں فرماتے۔ اصلاح طلب امور کی طرف پیار بھرے انداز میں توجہ دلاتے حضرت سے تعلق کے بنا پر بندہ کو روحانی فائدہ یہ ہوا کہ حضرت سے براہ راست حفظ مکمل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ فارسی کتب گلستان اور تحفہ وغیرہ پڑھی۔ نیز میٹرک درس نظامی وتخصص فی الفقہ والافتاء تک یہ تمام مراحل بندہ نے حضرت کی دعاؤں اور تعاون سے طے کئے۔ جبکہ اس کے بغیر انکا حصول ناممکن تھا۔

حضرت کے فیض کا اثر یہ ہے کہ اب الحمدللہ بندہ کے دو بھائیوں کے علاوہ خاندان کے متعدد بچے حفظ مکمل کر چکے ہیں۔ جبکہ دونوں بھائی اب درسی نظامی حاصل کررہے ہیں۔ حضرت سے تعلق کی

بناء پر بندہ کے خاندان کو جو دینی فائدہ پہنچ چکا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا باوجود اس کے کہ بندہ کا تمام خاندان علم سے ناواقف تھا اب الحمد للہ حفاظ، علماء اور تبلیغ والے موجود ہیں "واما بنعمة ربک فحدث" کے طور یہ وضاحت کی۔ بالاخر ایک وہ وقت آیا کہ حضرت اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ یہ زندگی میں مشکل ترین وقت تھا جبکہ کافی دیر تک بندہ خاموش بیٹھا رہا اور پھر اللہ تعالیٰ سے صبر کی دعا کی۔ آپ کا جنازہ مردان کا ایک تاریخی جنازہ تھا جس میں صوبہ بھر سے علماء صلحاء اور طلبہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ فرحمه الله رحمة واسعة وادخله فی جنة النعیم . اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده

اپنے بھی غمزدہ ہیں طالب بھی غم کے مارے
کر کے یاد تجھ کو دن رات خوب روئے

علم بتانے والے کو اتنا ہی اجر ملے گا
جتنا اس پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:
"جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا
جتنا (اُس کی بتائی ہوئی ہدایت پر) عمل کرنے والے کو ملتا ہے
اور ان (عاملین) کے اجر میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔
(رواہ مسلم)

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں

مولانا غیور احمد صاحب (چارسدہ)

بندہ غیور احمد کی ابتدائی ملاقات حضرت مولانا لطف الرحمٰن داداجی صاحبؒ کے ساتھ غالباً ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔ ملاقات کے دوران حضرت صاحبؒ نے نام کے بارے میں پوچھا۔ بندہ کے بتانے پر حضرت صاحب نے حضرت مولانا غیور احمد دیو بندیؒ کا واقعہ سنایا غالباً ان کی ذکاوت کے بارے میں تھا۔ ویسے حضرت داداجی صاحبؒ کی اکثر عادت مبارکہ یہ تھی کہ اکابر دیو بند کے بارے میں کوئی واقعہ سناتے تھے۔ اکثر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے بارے میں ادبی وعلمی واقعات سناتے تھے۔ ۲۰۰۲ء میں حضرت داداجی صاحب کے ساتھ بندہ کی ملاقاتیں اور بڑھ گئیں۔ چونکہ بندہ کو کوئی پریشانی آئی تھی جس کے بناء پر بندہ ۲۷ رمضان المبارک کو حضرت داداجی کے ملاقات کے لیے آیا اور حضرت سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے مشفقانہ دعا کی۔ حضرت کی دعا سے بندہ کا دل کھل گیا۔ اور مجلس سے اٹھ کر حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن صاحب کو بتایا کہ بس حضرت کی دعا میرے حق میں مقبول ہوئی۔ غرض یہ کہ حضرت کی دعا کا اثر عید الفطر کے تیسرے دن ظاہر ہوا۔ اس کے بعد بندہ کو جب بھی کوئی پریشانی یا کچھ مشکلات درپیش ہوتے تو حضرت کی صحبت کی برکت سے وہ ختم ہو جاتے۔

۲۰۰۶ء کو بندہ نے بیعت کیا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نے اپنی توجہ فی الصلوۃ کے بارے میں فرمایا کہ نماز میں کعبہ شریف بالکل میرے سامنے ہوتی ہے۔ حضرت کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ فارغ نہیں بیٹھتے یا تو ذکر میں مشغول ہوتے اور اکثر بندہ نے حضرت کو تفسیر عثمانی مطالعہ کرتے ہوئے پایا۔

اب بھی بندہ کو اگر کوئی مشکل یا پریشانی آتی ہے تو حضرت کے وسیلہ سے دعا کر کے دل کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور کبھی کبھی قبر اطہر پر حاضر ہو کر دعا مانگتا ہوں۔

وہ مردِ خود آگاہی

محترم ایاز صاحب (تمبولک)

محترم ایاز صاحب حضرت حکیم صاحبؒ کے خادم خاص اور معتقد تھے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے بارے میں انکے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

بچپن سے آپ سے محبت تھی اور دل میں خاص مقام تھا۔ میں بچہ تھا نہایت شریر تھا۔ اور بہت شرارتیں کرتا تھا۔ میرے دادا نے حضرتؒ سے میرے لیے خاص دعا کی درخواست کی۔ جسکی وجہ سے مجھے اُن کی صحبت میں موقع ملا ان کی ہدایت پر میں نے تبلیغی جماعت میں چار مہینے گزارے اور یوں اُن کی خاص مجالس میں حاضری دینے کا موقع ملا۔ حضرتؒ کی پہلی ملاقات سے اللہ کی یاد نصیب ہوئی اور ہر ملاقات میں اللہ کی یاد میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان کی سخاوت حد سے زیادہ تھی۔ اور ان کی عاجزی اتنی کہ اپنے آپ کو مجلس میں کم تر محسوس کرتے تھے۔ اور ہم اتنے متاثر تھے کہ ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے۔ جس کے بغیر ہم بے تاب رہتے تھے۔ سب کے ساتھ اتنی محبت کرتے تھے کہ ہر عقیدت مند کا یہ گمان ہوتا تھا۔ کہ میرے ساتھ زیادہ محبت کرتا ہے ہر ایک کی بات غور سے سنتے۔ اپنے تھے یا اجنبی سب کی یہی حالت رہتی تھی جو بھی ایک دفعہ آتا۔ انکی مجلس کا ہو جاتا اور اتنی محبت تھی کہ ہم سب ان کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔

ہمارے اعمال میں جب کمی آتی تو ان کی ملاقات میں ہماری توجہ اعمال کی طرف مبذول ہو جاتی اور جب غفلت زیادہ رہتی تو ان کو دعا کی درخواست کرتے جس کی وجہ سے توجہ برابر ہو جاتی۔ اس کے علاوہ ان کے مراقبے میں خاص اثر تھا جس میں شامل ہو کر ہم خاص اثر محسوس کرتے تھے۔ اور روحانی فائدے حاصل ہو جاتے۔ ہم جب بھی دیکھتے تو ان پر آہ وزاری کی خاص کیفیت رہتی چوبیس گھنٹے اعمال میں اور خاص عبادات میں مشغول رہتے۔ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ جب اکیلے ہوتے تو اکثر روتے تھے۔ اور دعا میں کبھی کبھی رونے کی وجہ سے بے تاب ہو جاتے۔ حضرت کے ہاں شام کو مراقبے کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ اور اتنی

دل جمعی سے مراقبے کرتے کہ ہم کمرے میں حاضر ہوتے تو ان کو پتہ نہ لگتا تھا۔ اللہ ان کے اعمال کا فیض ہم پر بھی جاری فرمائے۔ اس کے علاوہ حضرتؒ کے ہاں روحانی تذکرے اکثر ہوا کرتے تھے۔ جو کہ ہماری سمجھ سے بالاتر تھے۔ حضرتؒ اکابرین کے واقعات بہت دلچسپی کے ساتھ بیان فرماتے چنانچہ اکثر مولانا الیاسؒ، مولانا زکریاؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر علمائے دیوبند کے تذکرے زیادہ کرتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے کرامات اور عادات کا تذکرہ زیادہ کرتے تھے۔ اور اتنی فصاحت کے ساتھ تذکرے کرتے۔ کہ مجلس ختم ہونے پر اہل مجلس پر رقت طاری ہوتی اور آئندہ ملاقات کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ مولانا مدنیؒ کے تذکرے اتنے کرتے کہ تھک جاتے تھے۔ اور خاص کیفیت طاری ہو جاتی اور ان کا مشہور واقعہ محلہ قصاباں کے نوجوانوں کا تھا جو مدنی صاحبؒ کے تکلیف کے لیے نکلے تھے۔ اور یوں ان کے شیدائی ہو گئے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کرامات اور عادات کا تذکرہ بھی کرتے تھے۔ علاقہ سوات کے ایک طالب علم نے گستاخی کی تھی۔ جسکی وجہ سے وہ بیمار ہوئے۔ معافی مانگنے پر صحت نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ مولانا عزیز گل صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب کے تذکرے بھی کرتے تھے۔

ان کی ممتاز صفت عجز وانکساری تھی۔ جو مجلس میں سب محسوس کرتے تھے۔ گاؤں والوں سے محبت انکی فطرت میں داخل تھی۔ گاؤں میں جو بھی وفات پاتا حضرت اتنے روتے تھے۔ کہ بے تاب ہو جاتے۔ اسی محبت کے بدولت گاؤں والے ان کے اشارے پر مرنے کے لیے تیار تھے۔ حضرت بہت حاضر جواب تھے۔ اور مجلس پر چھائے رہتے۔ علاقے میں عداوت اور دشمنی پر بے چین رہتے تھے۔ اور صلح کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت فریقین کو صلح پر راضی کرنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ اور انہی کی وجود کی وجہ سے علاقے میں امن قائم تھا۔

ان کی صحبت کی وجہ سے میری محبت تبلیغی جماعت کے ساتھ ہے۔ حضرت زیادہ زور اوقات لگانے پر دیتے۔ اصلاح معاشرہ کی فکر میں اتنے لگے رہتے تھے کہ ہم کو آپ پر ترس آتا تھا۔ وفات تک اسی فکر میں تھے۔ آخری ایام میں اتنے بیمار ہوئے کہ بیٹھنے کے قابل بھی نہ تھے

جب بیٹھنے کے قابل ہوئے۔تو ویل چیر میں بیٹھے قریبی دکانوں کا گشت کیا۔اور فرمایا کہ دوکانیں نماز کے وقت بند رکھیں ۔کہ لوگ مسجدوں میں جائیں ۔آپ روئے کہ نماز میں نماز کی فکر کریں۔اور نماز کی وجہ سے اصلاح معاشرہ ممکن ہے۔جب سارے لوگ نمازی بنیں تو اصلاح ہوجائے گی۔اور فرماتے تھے کہ گاؤں میں ایک بھی بے نمازی نہ ہو۔اور وہ فکر آج بھی سب عقیدت مندوں پر چھائی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ زیادہ توجہ دعا اور اس کے طریقے پر دیتے تھے۔ اور چاہتے تھے۔کہ ہر آدمی اللہ سے مانگنے والا بن جائے۔اور ہر لحمہ اللہ کی یاد نصیب ہوجائے۔ سیدنا محمد ﷺ اور اہل بیت کی محبت کا دعاؤں میں خاص اہتمام تھا۔دعاؤں میں اکثر ساری امت کو یاد کرتے تھے۔امت مسلمہ کی فکر کرتے تھے۔ساری عالم کے لیے دعائیں کرتے تھے۔جن ملکوں میں مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ان کو خاص طور پر یاد کرتے۔فصاحت سے دعا کرتے تھے۔

ان کا مزاج انتہائی نرم تھا جسکی وجہ سے عام لوگ مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔اور ہر ایک کو خاص توجہ دیتے تھے ۔کبھی کسی کو غصہ نہیں کیا۔ساری زندگی میں ہم نے یہ حالت نہیں دیکھی۔یہی وجہ ہے کہ سب گاؤں والے آج تک فراق میں روتے ہیں۔اور سب کہتے ہیں کہ ہم سب یتیم ہوگئے۔آپ دین کے بارے میں انتہائی سخت تھے کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے اور غصہ ہوجاتے تھے۔کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔علاوہ ازیں کسی پر غصہ نہ کیا۔سب کو معاف کرتے تھے۔کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔باوجود قدرت کے سب لوگوں کو معافی کی ترغیب دیتے۔انتہائی شفقت کے ساتھ نصیحت کرتے اور کبھی کبھی اتنی فکر کرتے کہ نصیحت میں رو پڑتے تھے۔اور روتے روتے نصیحت کرتے۔جس نے بھی احسان کیا بدلہ ضرور عنایت کرتے اور اسکو دعائیں زیادہ دیتے تھے۔کبھی کسی کو بغیر بدلہ کے نہیں چھوڑا۔اتنا شکریہ ادا کرتے کہ احسان کرنے والا شرمندہ ہوجاتا۔

آپ کی ہر بات یاد رکھنے کی قابل ہے۔جب بھی مجھے آواز دیتے ”جوشی“ کہہ کر پکارتے یہ لفظ میرے دماغ میں آج تک گونج رہا ہے۔ادب میں خاص دلچسپی تھی۔عربی

اور فارسی کے اشعار اور ضرب الامثال کا استعمال کثرت سے کرتے تھے۔فصاحت اور بلاغت میں اپنی مثال آپ تھے۔قصیدہ بردہ کے اشعار زیادہ سناتے تھے کبھی کبھی اردو اور پشتو کے اشعار کہتے۔بات وضاحت سے کرتے جس کے لیے ضرب الامثال استعمال کرتے۔تقریر میں بھی اشعار کا استعمال کرتے یہ اشعار زیادہ کہتے۔

آپ کی وفات اچانک تھی اور ہم ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھے۔جب بھی ہم نے یہ خبر سنی تو صرف میں سارے گاؤں والے حواس باختہ ہو گئے۔صبح آذان کے بعد مسجد میں ہمیں خبر ملی۔سارے لوگ اتنے روئے کہ ہچکی بند ہو گئی۔اتنا صدمہ ملا کہ آج تک ہمیں قرار نہیں ملا۔اور آج تک گاؤں کے اکثر لوگ روتے ہیں۔یہ ہمارے لیے نا قابل تلافی صدمہ ہے۔ اللہ ہم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔اللہ ان کے برکات وفیوضات ان کے اولاد پر جاری فرمائے۔

آمین

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی ،اک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتا تا تھا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

آہ...... ہردلعزیز شخصیت

جناب امان اللہ صاحب مردان

بھائی امان اللہ حضرت حکیم صاحب کے معتقد اور خادم خاص تھے اکثر اوقات حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضرت کے بارے میں انکے تأثرات ملاحظہ ہوں۔

۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے۔اس وقت میں ایک نافرمان شخص تھا۔ایک دن بہت پریشان ہوا کہ آخر کب تک یہ نافرمانی چلتی رہیگی۔اسی سوچ میں ڈوبا ہوا مسجد میں سوگیا۔

جمعہ کی رات تھی۔ میں نے خواب دیکھا کہ لوگ اکبردارالعلوم کی طرف جارہے ہیں۔کہ وہاں حضور ﷺ تشریف لاچکے ہیں۔میں بھی ملاقات کی غرض سے چل پڑا جب سڑک کے قریب پہنچنے لگا۔تو دیکھا کہ اکبردارالعلوم سے سفید عماموں میں ملبوس علماء، وصلحاء کا ہجوم ہمارے گاؤں کی طرف آرہاہے۔اور لوگ کہہ رہے ہیں۔کہ حضور ﷺ ہمارے گاؤں میں تشریف لارہے ہیں۔میں استقبال کے لیے آگے بڑھا جب قریب پہنچا تو دیکھا ہمارے مولوی صاحب آگے آرہے ہیں۔اور لوگ انکے پیچھے آرہے تھے۔میں نے آواز دیدی کہ حضور ﷺ کہاں ہیں۔پیچھے سے ایک مولانا صاحب نے آواز دیدی کہ تمہارے اعمال کمزور ہیں۔تیرے اندر حضور ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہیں۔بس اپنے مولوی صاحب کی اتباع کرو وہ حضور ﷺ کے نقش قدم پر چل رہیں۔ صبح میں نے مولانا صاحب سے خواب عرض کیا۔فرمایا آپکا حسن ظن ہے۔میں کمزور آدمی ہوں۔بس اسی وقت سے ان کے ساتھ میرا تعلق قائم ہوا۔انہوں نے مجھے تبلیغ کے راستے پر ڈال دیا۔الحمدللہ اس وقت سے لیکر آج تک مسجد کے ساتھ میرا تعلق برقرار ہے۔

آپ مستجاب الدعوات تھے۔ہمیں کوئی مشکل پیش آتی۔دعا کے لیے حاضر ہوتے۔بہت جلد اثر ظاہر ہوتا۔جب آپ ایک سال تبلیغ میں تھے۔آخری وقت میں انکو لینے کے لیے بندہ رائیونڈ چلا گیا۔میں نے عرض کیا حضرت ہمارے گاؤں میں بدکردار شخص آیا ہے۔اس نے گاؤں میں گھر بھی بنایا جس کی وجہ سے گاؤں کا پورا ماحول خراب ہوگا۔دعا فرمائیں کہ یہاں سے

چلا جائے انہوں نے خیر کی دعا فرمائی۔ جب ہم واپس گاؤں پہنچے۔تو انہوں نے پوچھا کہ وہ گھر کہاں ہے۔وہ جگہ بالکل ویران پڑی تھی۔ میں حیران ہوا اور شرمندہ بھی ہوا۔وہاں کسی سے پوچھا تو اس نے بتایا وہ شخص چلا گیا ہے۔تین دن کے اندر سب کچھ ہوا وہ علاقے کے لیے رحمت تھے۔آپ کا رویہ انتہائی نرم تھا میں نے آپ کی خدمت میں کافی وقت گزارا ہے انہوں نے کبھی بھی مجھے سخت بات نہیں کی۔ ہر ایک کی نظروں میں محبوب تھے۔ایک مولانا صاحب بیعت کے لیے آئے تھے۔ان کو دو نصیحتیں کیں تو وہ آپ کا شیدائی بنے پھر ہر جمعہ ملاقات کے لیے آتے رہے۔آپ کی عجز وانکساری کا یہ عالم تھا کہ جب بھی مسجد جاتے تھے تو محلے کے بچے آپ سے مصافحہ کرتے۔آپ بڑی خوش اسلوبی کا مظاہر فرماتے تھے ہر بچے کو پوری توجہ دیتے۔اپنی مجلس میں ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔علماء، دینی طلباء کا خاص خیال رکھتے۔اپنے آپ کو ان سے کم تر سمجھتے۔جب وہ دعا کے لیے درخواست کرتے تھے تو حضرت فرماتے آپ دعا کریں میں کمزور ہوں اس لیے جو علماء بھی ملنے آتے تو وہ بڑے متاثر ہو کر واپس ہو جاتے تھے۔

آپ کی عبادات اور اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وزاری قابل دید تھی۔تلاوت کلام پاک بڑے ذوق وشوق سے کرتے۔تلاوت اکثر بیان القرآن یا تفسیر عثمانی میں کیا کرتے۔جب نماز پڑھتے۔تو ہمیں ان کی نماز سے خاص لذت محسوس ہوتی تھی۔خشوع وخضوع مثالی تھی لوگ ان کا بے حد احترام کرتے اور بے ادبی سے خوف کھاتے تھے۔کیونکہ جن لوگوں نے بھی حضرت کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی ان کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ عبرت بنایا ہے۔جب کہ ان کے واقعات پورے علاقے میں مشہور ہیں بیان کرنا مناسب نہیں۔

نہایت صابر اور قوت برداشت کے مالک تھے کبھی فریاد نہیں کی اور نہ ہی کبھی اپنی تکلیف ظاہر کی۔ایک دفعہ تعزیت کے لیے کہیں گاڑی میں جا رہے تھے گاڑی سے اترتے وقت ساتھی نے دروازہ بند کیا جس کی وجہ سے حضرت کی انگلیاں الجھ گئیں۔ان کے بیٹے حاجی مسعود الرحمٰن کو محسوس ہوا اس نے فوراً دروازہ کھولا حضرت نے فرمایا خیریت ہے جب تعزیت سے فارغ ہوئے

اور گھر پہنچے تو حضرت نے فرمایا میری دو انگلیاں ٹوٹ گئیں ہیں لیکن اس وجہ سے کچھ کہا نہیں۔ کہ جس ساتھی نے دروازہ بند کیا تھا وہ شرمندہ ہو جائے گا دو مہینے بعد انگلیاں ٹھیک ہو گئیں۔
آپ موت کا تذکرہ اکثر کرتے تھے آپ رحمان بابا کے اشعار سناتے اور نعت گوئی کا اہتمام کرتے ۔شوق اور محبت سے اشعار کہتے فصیح و بلیغ تھے مولانا عبداللہ کے نعت اور حاجی محمد امین کے نعت سنتے تھے اور اس کے ساتھ روتے تھے۔

چی د مرگ په طماچه د شی خله ماته
بیا به ماته خله به څه کوے لتا

آپ کی وفات کی خبر ہم پر شاق گزری۔ ہماری مسجد میں سب لوگ رو رہے تھے۔ مسجد میں ہر طرف آہ و بکا تھی سب گھروں میں عورتیں روتی رہیں اور بچے بھی بے اختیار گھروں سے نکل گئے ایک ماتم مچ گئی میں نے اپنی زندگی میں ایسا ماتم کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور سب لوگ یہ کہتے رہے کہ بڑا غم اور پریشانی ہے .میں خود اپنے والدین کی وفات پر اتنا نہیں رویا جتنا آپ کی وفات پر چار مہینے گزر گئے مگر سارے علاقے والے اب بھی پریشان ہیں پریشانی کے عالم میں سب لوگ قبر پر حاضری دیتے ہیں اور روتے ہیں میں گاڑی میں بیٹھا لاوڈ سپیکر پر اعلان کرتا رہا جس علاقے میں جاتا ہر گاؤں میں لوگوں کی چیخیں نکلتی اور حواس باختہ ہو جاتے یہ منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لوگ گاڑی کے قریب آ کر زار و قطار روتے رہے۔ آج تک یہی سلسلہ جاری ہے آپ کی جدائی ہم پر انتہائی گراں گزری۔ اکثر لوگوں نے انکو خواب میں دیکھا ہے۔ انتہائی خوشیوں میں دیکھا ہے۔ اور یہی سلسلہ جاری ہے میں نے خواب میں دیکھا مسجد میں آ کر مجھے بغل گیر ہوئے۔ اور فرمایا کہ اب میں صحت مند ہو چکا ہوں۔ تکلیفیں ختم ہوئیں جسکے بعد مجھے کچھ حوصلہ ملا۔
خدا آپکی مغفرت فرمائے اور ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

مرثیة

دنیا نة لاړے مولوي جي لطف الرحمنة گلة
قبر د رب جنت محل کړة عالی شان گلة
لاړے دنیا نة تة میلمة د پاک سبحان شولے
د زړة مرحم وے د مفتی علام رحمنة گلة
تة داسے گل یے چة خزان پة تا راتللے نة شی
تړو تازة د رب پة دړکهے بے خزانة گلة
ولی کامل یے د الله پة در قبول وے گلة
د روحانی محافل شمع وے رو هانة گلة
ستا جنازے تة عالمان او طالبان راغلے
ذکر اذکار باندیے دژبة وة گویا نة گلة
رب د ژړا اوپة دعا سرة لحد تة لاړے
درپسے جاری زمکة غرونة هم آسمان گلة
عثمانیة لة د عزت او د رحمت نخة وے
دستا پة تللو سول یتیمان شلو قدر دانة گلة
مفتی صاحب قدم بوسی لة را حاضر پة شولو
اُبے بة مونږ چالة ورځو دیر یو پریشان گنة
الهی صبر ور کړے تة سول خاندان لرة
غوارة دعا د پاک مونی رحیم رحمانة گلة
نجم الرحمان یے جانشین یے چة هیڅ غم اونکړے
شة پاک الله د محفظ او نگهبانة گلة
ورلة دعا همیش کوی د رب پة در گلونو
رب درلة درکړة خیل دیدار عظیم الشان گلة
کال وو دو زرة شپلا تاریخ پینځشم ستمبر
د قافلة د زوند . . . . . ځے لار روانة گلة
یم غیاث الانام ستا جدائی غوس پة زیگر کرمة خة
دغم سیلاب رانة راتاؤ دے د مقر خوانة گلة

از حاجی غیاث الانام جلوزی

پة مولی گرانة گلة
پة مولی گرانة گلة
هکلے میلمة د محمد نبی سلطان شولے
پة مولی گرانة گلة
د رب پة فضل داسے گل خزان وهلے نة شی
پة مولی گرانة گلة
پة عالمانو طالبانو کښے مقبول وے گلة
پة مولی گرانة گلة
ډیر اولیاء او مشایخ د دین پاسبان راغلی
پة مولی گرانة گلة
دعا شفانو سوز گداز سرة احد تة لاړے
پة مولی گرانة گلة
اُستاد طالب د زړة نکور د محبت نهه وے
پة مولی گرانة گلة
دلتة راتللو سرة خمونږ جمع خاطر بة شولو
پة مولی گرانة گلو
پة لوے کرم آسان کړے تة سخت امتحان لرة
پة مولی گرانة گلة
دا جی دنیا نة کامیاب لاړو هیڅ ماتم اونکړے
پة مولی گرانة گلة
کړة شفاعت ے رب نصیب د پیغمبر گلونو
پة مولی گرانة گلة
روز وة د گل چة شوے زوان د آخرت پة سفر
پة مولی گرانة گلة
شپة ورځ غمونو پة دنیا کښے کور وکر کرمة خة
پة مولی گرانة گلة

منظوم فارسی روایت ابوھریرہؓ در بخاری شریف

از حضرت مولانا حکیم عبدالحمید جلوزئی

مرحوم حاجی غیاث الانام صاحب کے والد ماجد اور سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحبؒ کے چچا تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ اپنے وقت کے ماہر حکیم اور عربی، فارسی اور پشتو زبان کے بہترین شاعر تھے۔ موصوف نے ابوھریرہؓ سے مروی روایت کو منظوم شکل میں بیان کیا تھا۔ یہ اشعار حاجی غیاث الانام صاحب کو زبانی یاد تھے۔ ان کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ فارسی کا ذوق رکھنے والوں کے لیے بہترین تحفہ پیش خدمت ہے۔

ہست ہر حمد ثناء اللہ رب العالمین بعد ازاں بر مصطفیٰ گویم درود بے شمار

در بخاری مروی است از بو ہریرہ ایں خبر کہ این چنیں فرمود حضرت مصطفائے نامدار

ہفت کس باشند اندر سایہ رب العباد اندر آن روزے کہ نہ بود ظل جز از پروردگار

اولین سلطان عادل دوئم عابد جواں نفس و شیطان کرد زیر وشد مطیع کردگار

میوہ بے وقت رامردم بہ تحفہ مے برند طاعت عابد جواں شد تحفہ پروردگار

گفت لقمان باپسر کاندرجوانی جہد کن درحصول مقصد از دنیا وعقبیٰ ہردودار

سوئم آن کس کہ معلق باساجد شد دلش ظاہری و معنوی دارد تمناانتمار

چہارم آن دوکس باہم دوستی داروند شاں از برائے حق تعالیٰ نے برائے فسق وعار

پنجم آن کس کہ بخواہد زن حسین او رابخود او زخوف حق تعالیٰ گردواز وے برکنار

شد ششم ازہفت او کہ صدقہ راپنہاں دہد از برائے حق تعالیٰ نے برائے افتخار

دانہ چوں ظاہر بماند شد خوراک مرغ ومور دانہ خفیہ میوہ وگل مے دہد درکشت زار

ہفتم آن کس کہ کند ذکر خدااندرخلا پس زوجد شوق ذکر آنمرد گرداشک بار

یا الٰہی ماہماں را زیر سایہ خود بدار چوں زمین گردونحاس ومہر گردد نیزہ وار

گرگنہگار است بس عبدالحمید جلوزئی وعدہ لاتقنطوا راہست اندر انتظار

جامعہ عثمانیہ پشاور اور آپ!!!

یہ جامعہ آپ ہی کا ادارہ ہے۔اس کی خدمت کا کوئی ایک طریقہ اپنے لیے متعین کر دیجئے۔

☆ایک پورے ہاسٹل یا بعض یا ایک کمرے کی تعمیر میں کلی یا جزوی تعاون۔

☆جامعہ کی لائبریری کے لیے کتب کی خریداری میں تعاون، جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔

☆بجلی، گیس، ٹیلیفون اور العصر کی اشاعت یا مطبخ کے اخراجات کا تکفل۔

☆کسی ایک استاد یا کئی ساتذہ کے مشاہرہ کی ذمہ داری۔

☆کسی ایک یا کئی طالب علموں کے ماہنامہ اخراجات کا تکفل۔

☆کمپیوٹر لیب کے لیے جدید کمپیوٹروں کی فراہمی۔

☆العصر میں اشتہارات دے کر اسکی اشاعت میں تعاون۔

سوچیئے آپ کی زندگی گزر رہی ہے۔مال بھی خرچ ہو رہا ہے۔خیر کی طرف قدم بڑھایئے۔اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف اور جنت کی طرف، جلدی کیجئے۔

جامعہ عثمانیہ گلشن عمر کے زیر تعمیر ہاسٹل کا ایک حسین منظر (واقع چھات روڈ حلقہ بلوزئی علاقہ خٹک)